عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی!!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ

غزالی

ذوالحجہ، محرم ۱۴۳۸ھ / ستمبر، اکتوبر ۲۰۱۶ء

Reg No. P476

جلد: پنج دھم

شمارہ: 1,2

فہرست

فی شمارہ : 15/- روپے (شمارہ ھذا : 30/- روپے)

سالانہ بدل اشتراک : 200/- روپے

ملنے کا پتہ : پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای میل : physiologist72@hotmail.com

zayadtariq@hotmail.com

ویب سائٹ : www.darwaish.org

رسالہ جاری کروانے اور بذریعہ موبائل ترسیلِ زر کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں 0313 979 2537

تمام گزشتہ شمارے ویب سائٹ پر دستیاب ہیں۔

(قسط۔۱)

ترکی کا سفر

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

عرصۂ دراز سے بندہ کی خواہش تھی کہ ترکیہ کا سفر ہو کیونکہ اسلام کے مراکز تو یقیناً مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ ہی ہیں لیکن اسلام کی شان وشوکت کا مظاہرہ تو واقعی ترکیہ ہی میں ہے۔ یہ ملک زمانہ قبل از تاریخ سے ہی انسانوں سے آباد ملک رہا ہے چنانچہ استنبول آرکیولاجیکل میوزیم میں پرانی کھدائی سے جو پتھر کے تراشیدہ انسانوں اور حیوانوں کے مجسمے اور دیگر باقیات نکلی ہیں وہ اس ملک کی قدیم تاریخ کو ظاہر کر رہی ہیں۔ عیسائی جس زمانے میں متحد تھے اور دو چرچوں میں تقسیم نہیں ہوئے تھے، اس زمانے میں ان کا سب سے بڑا مرکز قسطنطنیہ شہر تھا۔ یہ قسطنطین بادشاہ کا بنایا ہوا شہر تھا۔ اس کے بارے میں حضور اقدس ﷺ کی بشارت تھی کہ ''جس لشکر نے قسطنطیہ کو فتح کیا اس کا امیر بہترین امیر ہوگا۔'' یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ عارفین نے کہا کہ اس کی سات پشتیں جنت میں ہوں گی۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں فتح کی کوشش کی گئی لیکن نہ ہوسکا۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں دوسری کوشش کی گئی۔ اس لشکر میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل ہوئے حالانکہ عمر نوے سال تھی اور پیروں سے معذور تھے۔ ان کے لئے ایک صندوق بنایا گیا جس میں انھیں بٹھا کر اونٹ کے اوپر باندھا گیا اور یوں یہ سفر طے ہوا۔

قسطنطیہ شہر کے تین طرف سمندر ہے اور ایک طرف دو چالیس، چالیس فِٹ اونچی فصیلیں جن کے درمیان پانی بھری خندق تھی۔ دیواروں کی موٹائی ایک گز سے زیادہ تھی۔ اس فصیل کی وجہ سے اس شہر کا فتح کرنا ناممکنات میں سے تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے کی مہم فصیل تک پہنچی سکی۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت تھی کہ اگر میری موت ہوگئی تو جس آخری مقام (Point) تک لشکر پہنچ سکے وہیں مجھے دفن کیا جائے۔ چنانچہ فصیل کے پاس ہی ان کا مزار ہے

اور ساتھ بہت بڑی مسجد ہے اور آخر تک سڑک ہے۔ اب تو چاروں طرف آبادی ہے، گھر ہیں، بازار ہیں۔ ہمارا قیام محلّہ فاتح میں تھا۔ اسی علاقے میں یہ مزار ہے۔ ہماری حاضری ہوئی۔ اگر آدمی صبح کی نماز سے آدھا گھنٹہ پہلے نہ پہنچے تو پھر مسجد میں جگہ نہیں ملتی۔ ہم نے نماز ادا کی، مزار پر حاضری دی اور ایصالِ ثواب کیا۔ حضرت انصاریؓ کے دور کا ایک چشمہ ہے جس کے گرد ایک مربع شکل کا احاطہ بنا کر چاروں طرف نلکے لگا کر ٹونٹیاں لگا دی گئی ہیں جن سے وہ متبرک پانی نکلتا ہے۔ ہم سب نے وہاں سے ایک ایک گلاس پانی پیا۔ حضرت ابوایوب انصاری حضور ﷺ کے ننھیالی خاندان سے تھے گویا آپ ﷺ کے ماموں، پھر آپ ﷺ کے مدینہ منورہ پہنچنے پر میزبان۔ سارے جہاد کے سفروں کے رفیق اور آخر میں اس بڑھاپے میں اتنا لمبا سفر کر کے یہاں مدفون۔ واقعی یہ وفا کی داستانیں صحابہؓ ہی کا حق ہے۔ اس مزار کے علاوہ اس فصیل کے ساتھ ساتھ ۲۷ مزید صحابہ کرامؓ دفن ہیں جو کہ اس معرکے میں شہید ہوئے۔ ایک جگہ فصیل کا دروازہ ہے۔ اس جگہ تین صحابہ کے مزار دروازے سے اندر جا کر ہیں۔ ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے جوشِ شہادت میں دروازے کو پار کیا ہے اور اندر شہید ہوئے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے بعد اس ملک میں سلجوقوں کی حکومت رہی۔ ان کا دارالخلافہ قونیہ تھا۔ اس حکومت کا دبدبہ پورے یورپ پر چھایا ہوا تھا۔ علامہ اقبال کے شعر

شوکت سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمو
فقر جنید و بایزید تیرا جمالِ بے نقاب

میں جس سلطان سنجر کا ذکر ہے وہ سلجوق خاندان سے ہی تھا۔ سلجوقوں کی بھی عظیم الشان تعمیرات اور مساجد ہیں۔ اس کے بعد پھر عثمانیوں کا دور آتا ہے۔ اوپر کے شعر میں جس سلطان سلیم کا تذکرہ ہے وہ عثمانی تھا۔ عثمانیوں کو یہ سعادت ملی کہ ان کے دور میں ان کے ایک مبارک بادشاہ سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ کو فتح کیا۔ سمندر کی شاخ آبنائے باسفورس سے ایک دوسری شاخ گولڈن ہارن تک ایک خشکی کا ٹکڑا ہے۔ سلطان محمد فاتح نے اس خشکی کے ٹکڑے پر لکڑیوں کی ایک چوڑی سڑک

بنائی۔اس پر جانوروں کی چربی ملی اور ستر بحری جہازوں کو اس کے اوپر سے کھینچ کر سمندر کی دوسری شاخ گولڈن ہارن میں اتار دیا۔اس دور میں ایک عیسائی انجینئر سلطان سے ملا۔اس نے بتایا کہ وہ ایک بہت طاقتور توپ بنا سکتا ہے جو اس سے پہلے نہیں بنی لیکن اس کے لئے کسی عیسائی ریاست نے پیسے نہیں دئے۔سلطان نے دل کھول کر پیسے دئے۔یہ توپ بنی اور لائی گئی۔فصیل کی طرف سے اس توپ نے گولہ باری شروع کی۔ادھر گولڈن ہارن میں ستر جہاز پہنچ چکے تھے۔انھوں نے حملہ شروع کیا۔سلطان نے قسم اٹھائی ہوئی تھی کہ وہ ظہر کی نماز قسطنطنیہ کے عیسائیوں کے چرچ میں پڑھے گا۔جنگ شدت اختیار کر گئی۔وقت تنگ ہو گیا۔اس لئے علما نے کہا کہ تھوڑا توقف کرتے ہیں تا کہ ظہر کی نماز قضا نہ ہو جائے۔سلطان نے عزم بالجزم کا اعادہ کیا اور کہا کہ یا تو سلطنت عثمانیہ نہیں یا اس شہر کو ظہر سے پہلے فتح کریں گے۔آخر لشکر میں ایک بزرگ جو اولیاء اللہ میں ابدال کے درجے پر فائز تھے، جن کا نام حسن تھا، انھوں نے کہا کہ انہیں کسی طرح فصیل پر چڑھا دیا جائے۔جب ان پر حملہ ہوگا، وہ لڑنا شروع کریں گے، اس اثناء میں پیچھے سے لوگ فصیل پر چڑھیں تا کہ اندر چھلانگیں لگا کر شہر کے دروازے تک پہنچ کر اسے کھول دیں۔چنانچہ ایسے ہی ہوا۔دروازہ کھلا اور اسلامی فوج اندر داخل ہوئی۔عیسائی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔سلطان نے جوش میں آ کر گھوڑا دوڑایا اور گرجے کے احاطے میں لوہے کے ایک ستون پر تلوار ماری۔تلوار ستون میں کُھب گئی۔اس جگہ سلطان نے تاریخی جملہ بولا کہ

فَدَیْتُ مَدِیْنَۃَ قَیْصَرٍ عَلٰی مَدِیْنَۃَ رَسُوْلَ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَ سَلَّم

(یعنی میں نے آج قیصر (رومیوں کا عیسائی بادشاہ) کے شہر کو حضور ﷺ کے شہر پر قربان کر دیا)

اور اعلان کیا کہ اس شہر کا سارا اخراج مدینہ منورہ پر خرچ ہوگا۔اس فتح سے پہلے عثمانیوں کا دارالخلافہ بُرسا شہر تھا۔فتح کے بعد قسطنطنیہ کو دارالخلافہ بنایا گیا اور اس شہر کا نام سلطان نے تبدیل کر کے ''اسلام بول'' رکھا، جس کا معنیٰ ''اسلام کی علامت'' یا ''اسلام کی نشانی'' ہے۔سلطان سلیم کے دور میں مصر اور حجاز یعنی مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ سلطنت عثمانیہ میں شامل ہوئے۔یوں سلطنت عثمانیہ اس وقت

کی عظیم قوت (Super Power) بنی جوکہ سارے یورپ پر حاوی تھی اور بحیرۂ روم میں ان کی ٹکر کا بحری بیڑہ کسی کے پاس نہیں تھا۔عثمانیوں کا علما و مدارس کے ساتھ گہرا رابطہ تھا۔ان کی پوری سرپرستی کرتے تھے۔ پوری شریعت نافذ تھی۔ قاضی فیصلوں میں آزاد تھے۔ بادشاہ تک قاضی اور اسلامی قانون کے آگے جواب دہ تھا۔اپنی مضبوط فوج کے علاوہ مسلمانوں کی ایک رضا کار فوج تھی جو رضائے الٰہی کیلئے ضرورت کے وقت میدانِ جہاد میں آتی تھی اور سرفروشانہ کارنامے سرانجام دیتی تھی۔

"ہر کمالے را زوالے" فارسی مقولہ ہے۔چنانچہ ان کے ایک بادشاہ سلیمان عالی شان (Sulaiman the magnificent) نے ہنگری فتح کیا اور اس کے پادری کی لڑکی سے شادی کرلی۔ اس عورت نے سلطان کی اتنی تابعداری اور خدمت کی کہ اس کو مٹھی میں لے لیا۔سلطان کا ایک بیٹا مصطفیٰ دوسری بیوی سے تھا جو کہ بہت قابل منتظم و جرنیل تھا۔ پادری کی بیٹی سے سلطان کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہوئے۔اس بیوی نے سلطان کے بیٹے کا نام بھی سلیمان رکھا اور کہا کہ میں چاہتی ہوں کہ آپ کے بعد آپ کا نام آپ کے بیٹے کی شکل میں باقی رہے۔اسی بیوی نے داماد کو ساتھ ملا کر مسلسل سازشوں کے ذریعے بادشاہ کو مصطفیٰ کے خلاف کیا اور بالآخر باپ کے ہاتھوں ہی اسے قتل کرا دیا۔ کمال ہوشیاری سے اس نے اپنے بیٹے سلیمان کو شراب کا عادی بنایا۔ چنانچہ سلیمان عالی شان (Sulaiman the magnificent) کے بعد جب یہ بادشاہ بنا تو سلیمان نشے میں دھت (Sulaiman the saught) کے نام سے مشہور ہوا۔عثمانی بادشاہ میدانِ جنگ میں خود گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر شامل ہوتے تھے۔سلطان مراد کا گرز (لوہے کا ایک ہتھیار) تو مشہور ہے، جسے وہ ایک ہاتھ سے اٹھا کر وار کرسکتا تھا، جبکہ کوئی دوسرا آدمی اسے ہلا بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ خود میدانِ جنگ میں لڑتے ہوئے شہید ہوا تھا۔جبکہ سلیمان نشے میں دھت اپنی پوری حکومت کے دوران کبھی باہر بھی نہیں نکلا۔یہیں سے زوال شروع ہوا۔اس عیسائی عورت نے مرتے وقت یہ بیان دیا کہ وہ کارنامہ جو عیسائیوں کی فوجیں انجام نہ دے سکیں ایک دخترِ عیسائیت یعنی عیسائی لڑکی نے کردکھایا۔

صنعتی انقلاب کے بعد نئی نسل کو یورپ بھیجا جاتا رہا یہاں تک کہ سیکولر (لادین) نوجوانوں کی ایک پوری تعداد وجود میں آ گئی۔ پہلی جنگ عظیم میں ترکی کی کارکردگی سے یورپ نے خائف ہوکر سازشوں کا ایک جال ترکی میں شروع کردیا اور یوں وہ ملتِ اسلامیہ کی جگہ ترک نیشنل ازم پر مجتمع ہوکر منظّم ہو گئے۔ کمال کی شکل میں ان کو لیڈر مل گیا جس کی ماں یہودی تھی اور خود یہ صیہونیوں کی بدنامِ زمانہ تنظیم فری میسن کا تربیت یافتہ تھا۔ اس نے ترک قوم کو جمع کر کے استعماری انگریزوں سے جنگیں شروع کردیں۔ ترک علما وطلبا اخلاص کے ساتھ اس جہاد میں شامل ہوئے۔ جب علما اور طلبا کو خوب لڑا کران کا خاتمہ کردیا تو اچانک انگریزوں نے اقتدار کمال کو دے دیا اور اس کو اتاترک یعنی ترکوں کے باپ کا خطاب دے دیا۔ پارلیمنٹ میں برطانیہ کے لیڈر لائیڈ جارج سے جب پوچھا گیا کہ آپ نے اتنی جنگ کے بعد ترک قوم کو اقتدار کیوں دے دیا تو اس نے جواب دیا کہ تب دیا جب خلافت اور نظامِ شریعت کا خاتمہ کردیا اور اقتدار ہمارے نمائندے (Agent) کمال کو منتقل ہو گیا۔ اسی موقع پر علامہ اقبال نے کہا تھا ؎ چاک کردی تُرک ناداں نے خلافت کی قبا

سادگی اپنوں کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

اس خبیث انسان نے شریعت کے نظام کا خاتمہ کیا، دارالخلافہ انقرہ منتقل کیا، اسلام بول کا نام بدل کر استنبول کردیا۔ انگریزی لباس لازمی کردیا، عورتوں کے پردے کا خاتمہ کردیا، کسی آدمی کو ڈاڑھی کے ساتھ سرکاری سکول، کالج اور یونیورسٹی میں داخلہ نہیں ملتا تھا اور نہ سرکاری نوکری ملتی تھی۔ اسی طرح کسی پردے والی عورت کو نہ داخلہ مل سکتا تھا نہ نوکری مل سکتی تھی۔ اذان، نماز ترکی زبان میں لازمی کردئے تھے۔ نظریاتی علما اور دانشور چن چن کر قتل کر دئے۔ ۱۹۲۳ء میں اس نے اقتدار لیا اور بطور ڈکٹیٹر ۱۹۳۸ء تک رہا۔ اس کے بعد عصمت انونو آیا۔ وہ کمال سے بھی زیادہ خبیث تھا۔ اس نے تو مسجدیں بھی بند کردیں۔ جب ان پر جمہوریت اور انتخابات کا عالمی دباؤ آیا تو اس نے انتخابات کروائے۔ اس میں سیکولر بری طرح ہار گئے اور عدنان مندریس کی پارٹی اقتدار میں آ گئی۔ انھوں نے

دس سال حکومت کی اور مسجدوں کو کھولا۔ سیکولر فوج نے ان سے جبری اقتدار چھین لیا۔ عدنان مندریس اور اس کی کابینہ کے دو دیگر ممبران کو پھانسی دے دی۔ دوبارہ انتخابات ہوئے، پھر سیکولر ہار گئے اور ایک دوسرے صاحب اقتدار میں آئے۔ انھوں نے بھی دس سال حکومت کی لیکن سیکولر عناصر نے انھیں زہر دے کر شہید کر دیا۔ اس کے بعد ملک سیکولرازم کے فتنے میں ڈوب گیا۔ یہاں تک کہ ایک دردمند مسلمان دانشور استاد نجم الدین اربکان نے انتہائی خفیہ طریقوں سے سکولوں اور کالجوں کے طلبہ کی سال ہا سال خفیہ تربیت کر کے ایک مضبوط گروہ کھڑا کر دیا۔ الیکشن ہوا۔ استاد اربکان نے الیکشن جیتا لیکن فوج نے پھر مداخلت کر کے جبراً اقتدار لے لیا۔ اربکان کے ساتھیوں نے نئی منصوبہ بندی کی اور طیب اردوان کی قیادت میں پھر منظّم ہوئے۔ اس دفعہ انھوں نے ملکی ترقی، کرپشن کا خاتمہ، میرٹ پر فیصلے کرنا، اس عنوان سے پارٹی بنا کر الیکشن لڑا۔ اس پارٹی کو اقتدار لئے دس سال سے زیادہ ہوگئے ہیں۔ انھوں نے کرپشن کا خاتمہ، معاشی ترقی اور امن و امان پر اتنا کام کیا کہ ہر آدمی کو تبدیلی نظر آئی یہاں تک کہ سیکولر لوگوں میں بھی جو ذرا حقیقت پسند تھے، ان کے گرویدہ ہوگئے۔ فوج نے ٹکر لی لیکن ناکام ہوگئے اور اچھی خاصی تعداد مستعفی ہوئی۔

ان کی جگہ دوسرے آدمی رکھے گئے۔ جب ان کے قدم مضبوط ہوئے تو اسلامی اصلاحات کا انھوں نے آہستہ آہستہ آغاز کیا۔ ایک دانشور فتح اللہ گولن جس کا عالمی تعلیمی نظام ہے اور ترکی سمیت کئی ملکوں میں اس کے سکول ہیں اور مالی لحاظ سے ارب پتی آدمی ہے، اس نے الیکشن میں اردوان کی پارٹی کی تائید کی تھی۔ اس کی دینی تشریح ماڈرن بنیادوں پر صحابہؓ اور پہلے بزرگوں کی طرز سے کافی ہٹ کر ہے اور امریکہ کا کافی منظورِ نظر ہے۔ اس کے نظامِ تعلیم سے نکلے ہوئے کافی لوگ ترکی کی فوج، عدلیہ، انتظامیہ، پولیس اور دیگر شعبوں میں ہیں۔ ووٹ کے ذریعے اردوان کی پارٹی سے مقابلہ کرنے کے حالات تو اس کو میسر نہیں ہیں کیونکہ عوام میں اس کی اردوان جتنی مقبولیت نہیں ہے۔ ہمیشہ منفی آدمی جب مثبت طریقے سے کوئی چیز حاصل نہ کر سکے تو منفی ہتھکنڈے اختیار کرنے پر اتر آتا ہے۔ چنانچہ

حالیہ ترکی بغاوت اس کے لوگوں کے ذریعے سے ہوئی جو فوج اور دیگر اداروں میں موجود تھے۔

طیب اردوان دارالخلافہ سے دور ایک ساحلی شہر مرمریز میں چھٹیاں منانے گیا ہوا تھا۔ اس دوران ۱۵ جولائی شام سات بجے ایف ۱۶ طیارے فضا میں بمباری کے لئے بلند ہوئے۔ ہیلی کاپٹر گولیاں برسانے لگے اور ٹینک سڑکوں پر نکل آئے تھے۔ پیدل فوجی کلاشنکوفیں لے کر عوام پر فائرنگ کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ پروگرام کے مطابق ۲۰ کمانڈوز نے ایک ہوٹل میں تقریب کے دوران حملہ کر کے طیب اردوان کو قتل کرنا تھا اور سات بجے ہی انقرہ میں ایک لیفٹیننٹ جنرل نے اقتدار سنبھالنے کا اعلان کرنا تھا۔ کمانڈر اِن چیف کو یرغمال بنا کر بند کر دیا گیا۔ جو لیفٹیننٹ جنرل دارالخلافہ انقرہ میں اترا اس نے اپنی ٹیم کے سامنے پروگرام واضح (chalk out) کیا کہ ہم اقتدار لے رہے ہیں۔ اس کی ٹیم کے ہی ایک کپتان نے پستول نکالا اور اسے شوٹ کر دیا۔ ٹیم کے باقی لوگوں نے اس کپتان کو شہید کر دیا۔

ادھر ان بیس کمانڈوز کے ہوٹل تک پہنچنے سے پہلے ہی طیب اردوان نکل گیا۔ یہ دونوں غیبی تائیدیں ساری کامیابی کی بنیاد بنیں ورنہ اتنی منظّم بغاوت کو روکنا بہت مشکل تھا۔ طیب اردوان فوراً ایک خفیہ مسافر جہاز سے انقرہ پہنچ گیا۔ ریڈیو سٹیشن باغیوں کے قبضے میں تھا اور وہ اس سے بار بار اعلان کر رہے تھے کہ ملک میں انقلاب آ گیا ہے۔ اردوان نے اپنے موبائل فون سے ایک چینل کے ذریعے قوم سے خطاب کیا اور اپیل کی کہ سب لوگ سڑکوں پر نکل آئیں اور بغاوت کامیاب نہ ہونے دیں۔ لوگ جوق در جوق نکل آئے۔ ان میں شیخ محمود آفندی نقشبندی بزرگ کے مرید، سب دین سے محبت کرنے والے لوگ یہاں تک کہ سیکولر لوگ بھی سڑکوں پر نکل آئے، ٹینکوں پر سوار ہو گئے اور ڈرائیوروں کو بے بس کر دیا۔ فائر کرنے والے فوجیوں کو پیچھے سے اور دائیں بائیں سے گھیر کر ان سے اسلحہ چھین لیا۔ ایف ۱۶ نے پارلیمنٹ ہاؤس پر چار بم گرائے جہاں اسمبلی کا ایمرجنسی اجلاس ہو رہا تھا۔ تین کمرے تباہ ہو گئے۔ ایک باہر چمن میں گرا۔ مرکزی کمرہ جہاں اجلاس ہو رہا تھا محفوظ رہا۔ چوبیس

گھنٹوں میں عوام اور پولیس نے مل کر بغاوت قابو کر لی۔ اس طرح ایک عوام دوست اور عوام کی خادم حکومت کو اللہ نے بچا دیا۔ یہ ترکی پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا عظیم احسان تھا۔

بندہ کی ترکی حاضری دو کانفرنسوں میں شرکت کے لئے تھی۔ پہلی کانفرنس ساری دنیا کی اہم مسلم این جی اوز کے سربراہان کی تھی جو ترکی کے ایک ادارے یو۔ این۔ آئی۔ ڈبلیو (Union of NGOs of Islamic World) کے تحت تھی۔ یہ کانفرنس صدر اردوان، وزیر اعظم اور سپیکر صاحب کے ساتھ تھی۔ اس میں پوری دنیا سے ٦٥ آدمی بلائے گئے تھے۔ دوسری یوتھ کانفرنس تھی جس میں ساری دنیا سے ٣٠٠ نوجوان مسلمان طلباء و طالبات مدعو تھے۔ اس کانفرنس میں میرا مقالہ ''تعمیر شخصیت'' پڑھنے کے لئے منظور ہوا تھا۔ این۔ جی۔ اوز کانفرنس موجودہ دارالخلافہ انقرہ میں تھی۔ بدھ کے دن انقرہ پہنچے۔ سفر کی تھکاوٹ تھی اس لئے بدھ کا دن آرام کیا۔ جمعرات کو کانفرنس کا افتتاح ہوا جس میں شرکاء مندوبین نے بغاوت کی کامیابی پر عظیم ترک قوم کو خراجِ تحسین پیش کیا اور اس بات کا اعلان کیا کہ ساری امت مسلمہ طیب اردوان اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ کھڑی ہے۔

اس کے بعد ایک اجلاس وزیر اعظم بن علی یلدرم کے ساتھ ہوا۔ وزیر اعظم نے خوب پر جوش تقریر کی جو اسلام اور ملک کے ساتھ محبت کی آئینہ دار تھی۔ دوسرا اجلاس صدر مملکت جناب طیب اروان کے ساتھ ہوا۔ ان کی تقریر واقعی حیدر کی للکار (حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) اور خالد کی یلغار (حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) کا نمونہ تھی۔ اسلام کی محبت اور ملک کی وفاداری اس سے ٹپکتی تھی۔ واضح اندازہ ہو رہا تھا کہ اس قسم کی شخصیت ضرور انسانوں کے دل میں گھر کر جاتی ہے۔ طیب اردوان ہر کسی سے علیحدہ علیحدہ ملے۔ بندہ کی جب ملاقات ہوئی تو میں نے عرض کیا: ''میں نے اپنے رسالے میں آپ کے لئے چار مضامین لکھے ہیں۔ دو آپ کے الیکشن پر اور ایک اس بغاوت پر اور ایک فتح اللہ گولن کی سازشی شخصیت پر۔'' اس پر طیب اردگان نے شکریہ ادا کیا۔ تیسرا اجلاس سپیکر صاحب کے ساتھ ہوا۔ ان تینوں اجلاس میں ایک تعارفی تقریر UNIW کے جنرل سیکرٹری جناب

علی کرد صاحب کی ہوتی رہی اور ہماری این جی اوز کی طرف سے ایک عرب عالم جناب علی قرضاوی صاحب تقریر کرتے رہے۔ سپیکر صاحب بڑی عمر کے آدمی تھے۔ پختہ خیالات اور دانشورانہ کلمات بولنے والے تھے۔ ہم میں سے ہر ایک کے ساتھ علیحدہ علیحدہ ملاقات کی۔ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد بندہ یوتھ کانفرنس میں شمولیت کے لئے گیا۔ اس کانفرنس کا افتتاح وزیر داخلہ نے کیا۔ علی کرد صاحب اور علی قرضاوی صاحب کی تقریر ہوئی۔ اس کے بعد وزیر داخلہ کا تفصیلی بیان ہوا جس میں انھوں نے اسلامی انقلاب کی بنیادوں کا تذکرہ عالمی اسلامی دانشوروں کی تعلیمات کی روشنی میں کیا۔

کانفرنس کے دوسرے دن کے پہلے سیشن کی مہمان خصوصی ممبر پارلیمنٹ ڈاکٹر روضہ کواکچی صاحبہ تھیں۔ امریکہ سے پی ایچ ڈی کئے ہوئے تھیں۔ یہ وہی صاحبہ ہیں جن کی ہمشیرہ ممبر پارلیمنٹ کو نوے کی دہائی میں سیکولر حکومت کے دوران سکارف پہننے کی وجہ سے پارلیمنٹ سے نکال دیا گیا تھا۔ محترمہ پورا پردہ کئے ہوئے تھیں۔ ایسی تقریر کی کہ ہال کو ہلا کر رکھ دیا۔ انھوں نے خاص طور پر موجودہ بغاوت اور اس کے بعد مغربی الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے کردار اور ان کی دوغلی پالیسی پر خوب تنقید کی اور بتایا کہ بغاوت کے دوران ان کے میڈیا نے خوب اشتہار بازی کی کہ انقلاب کامیاب ہو گیا ہے، فوج نے اختیار لے لیا ہے اور طیب اردوان کسی قریبی ملک میں پناہ لے لیں گے۔ لیکن جب انقلاب ناکامیاب ہو گیا تو سارے میڈیا کو انتہائی شرمندہ ہونا پڑا۔ باغی فوجیوں کی بمباری اور خونریزی پر مغربی میڈیا نے بالکل تنقید نہیں کی اور ۲۳۴ آدمیوں کی شہادت پر بالکل کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ البتہ بغاوت کے خاتمے کے بعد اس بات کی رٹ لگا رہے ہیں کہ باغیوں کے ساتھ نرمی کی جائے۔

کانفرنس کے دوسرے سیشن کی صدارت کے لئے ایک پارلیمنٹیرین جو کئی بار پارلیمنٹ کے ممبر منتخب ہو چکے تھے، کو بلایا گیا۔ یورپ سے پڑھے ہوئے انجینئر تھے، قونیہ کے رہنے والے تھے اور کرد تھے۔ کردوں کی شکل عموماً پاکستانیوں سے ملتی ہے۔ بندہ نے ان سے یہ بات کہی تو اس پر بڑے خوش ہوئے۔ اس سیشن میں بندہ کی تقریر ہوئی جس کا موضوع تعمیر شخصیت تھا۔ بندہ نے اس مقالہ کو

انگریزی اور ترکی دونوں زبانوں میں ترجمہ کروا کے چھپوایا ہوا تھا۔ مقالہ کو پڑھنے کے لئے ۴۵ منٹ چاہئے تھے۔ کانفرنس والوں نے بندہ کو پندرہ منٹ دیئے اس لئے پندرہ منٹ میں انگریزی میں مقالہ کا خلاصہ بیان کیا۔ اللہ کا احسان رہا، انگریزی بولنے میں بہت آسانی محسوس ہوئی اور مقالہ کے ضروری مضامین بیان ہوگئے۔ صاحبِ صدر نے خوب دانشورانہ تقریر کی۔ تقریر سے پہلے ازراہِ مہربانی انھوں نے کہا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب کے مقالے کے بعد میں کیا تقریر کروں گا اور لوگ کیا سنیں گے۔ یہ ان کی ذرہ نوازی تھی۔ بڑی عمر کے تھے۔ ان کی تقریر کے بعد بندہ نے ان سے کہا کہ آپ کی تقریر نے یہ تاثر دیا کہ بڑھاپا آپ پر نہیں چھا سکا۔ اس پر بہت خوش ہوئے۔ چائے کے وقفے میں ہمارے ساتھیوں نے ان سے تعارف کراتے ہوئے میرے بارے میں کہا کہ پاکستان میں بیعت کا سلسلہ چلا رہے ہیں۔ اس پر انھوں نے کہا کہ میں بھی آپ سے بیعت ہونا چاہتا ہوں پر اس کے لئے پاکستان آؤں گا، اور موبائل نمبر اور ای میل ایڈریس اپنے پاس نوٹ کیا۔

نوجوانوں کی طرف سے ہمارے ساتھی ڈاکٹر مشتاق صاحب کی تقریر ہوئی۔ بہت مؤثر تھی اور نوجوانوں نے بہت لطف اٹھا کر سنی۔ عموماً تقریر کے لئے پندرہ منٹ دیتے تھے، بارہ منٹ کے بعد آدمی کو کارڈ اٹھا کر اطلاع کرتے تھے اور پندرہ منٹ کے بعد گھنٹی بجا کر تقریر ختم کرنے کی اطلاع کرتے۔ بندہ کی تقریر میں تو انھوں نے کارڈ نہیں اٹھایا پر میں نے ٹھیک پندرہ منٹ میں ختم کر دی۔ ڈاکٹر مشتاق صاحب کی تقریر اکیس منٹ رہی لیکن نہ انھوں نے کارڈ اٹھایا نہ گھنٹی بجائی۔ ہماری دو تقریروں کے بعد سارے نوجوان بہت عقیدت کے ساتھ ملتے رہے اور مختلف دینی راہنمائی کی باتیں پوچھتے رہے اور پورے سفر میں بہت احترام سے پیش آتے رہے۔ تُرک طلبا نے تو اتنی خدمت کی اور اتنی محبت کا اظہار کیا کہ ہم اس کی کوئی قیمت نہیں ادا کر سکتے۔

تیسرے دن انقرہ کے مختلف مقامات کی سیر کروائی۔ تُرکوں کو اپنے ملک کے اولیاء اللہ کے ساتھ خاص وابستگی ہے۔ گزرے ہوئے اولیاء اللہ بڑی حیثیت کے علماء بھی تھے جن کی بڑی بڑی

مسجدیں، مدرسے اور خانقاہیں تھیں۔ ابھی تک یہ خوبصورت تعمیریں اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ موجود ہیں اور انہی میں یہ حضرات دفن ہیں۔ شیخ بہرام رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری ہوئی۔ یہ بزرگ مولانا رومؒ سے ۱۰۰ سال بعد کے ہیں۔ ان کے خلیفہ اور شاگرد نے سلطان محمد فاتحؒ کی تربیت کی جنھوں نے قسطنطنیہ کو فتح کیا۔ تُرک اس بات کو بڑے فخر سے کہتے تھے کہ سلطان محمد فاتحؒ جیسے افراد پیدا ہو سکتے ہیں اگر شیخ بہرامؒ جیسی تربیت کرنے والے مشائخ اور علما ہوں۔ شیخ بہرامؒ کی بہت بڑی مسجد اور وسیع احاطہ تھا۔ یہ سلجوقوں کے آخری دور کے آدمی ہیں اور انھوں نے سلجوقوں اور عثمانیوں دونوں کے زمانے کو دیکھا ہے۔ ان کی مسجد کے ساتھ ہی ایک گرجے کے کھنڈرات تھے، جس کے بڑے بڑے سنگِ مرمر کے تراشے ہوئے ستون پڑے ہوئے تھے۔ گائیڈ نے بتایا کہ یہ اگسٹس پادری کا گرجا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے قریب گزرا ہے اور اگست کا مہینہ اسی پادری کے نام پر ہے۔ اس کے بعد ایک دوسرے بزرگ شیخ تاج الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر لے گئے۔ یہ بھی بہت خوبصورت جگہ تھی۔ تُرکی طلبا نے بتایا کہ خبیث کمال نے اس مقدس جگہ کے ساتھ گانے بجانے والی اور گندی عورتوں کا مرکز بنایا تھا تاکہ یہاں کا تقدس پامال ہو جائے۔ پھر بتایا کہ مغرب کے وقت معزز آدمی اس جگہ پر ان گندی عورتوں کی وجہ سے نہیں آتا۔ شیخ تاج الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے احاطے کے باہر تُرک طلبا ایک قبر پر لے گئے اور بتایا کہ یہ ایک بہت اہم اسلامی لیڈر تھے جنھیں ہیلی کاپٹر کا حادثہ کروا کر شہید کیا گیا تھا۔

اس کے بعد ہمیں پارلیمنٹ ہاؤس لے گئے۔ ایف ۱۶ طیارے نے جو چار بم گرائے تھے ان میں سے تین بموں نے تین جگہ عمارت کو بہت نقصان پہنچایا ہوا تھا۔ چوتھا بم باہر چمن میں گرا تھا جس سے سبزہ، پھول اور درخت جل گئے تھے۔ اللہ کا فضل وکرم کہ جس مرکزی ہال میں پارلیمنٹ کا اجلاس ہو رہا تھا وہ محفوظ رہ گیا تھا۔ پھر شہر کے ایک دوسرے حصے میں کمال کے زمانے کا پرانا پارلیمنٹ ہاؤس بھی دکھایا گیا۔ یہ بجلی کے زمانے سے پہلے کا تھا اس لئے لکڑی سے جلائی جانے والی انگیٹھیوں

اور تیل سے جلائے جانے والے لیمپ اور ممبروں کے بیٹھنے کے لئے لکڑی کے بینچ تھے۔ پہلی کابینہ جو اس نے بنائی تھی اس کے ممبروں کی تصاویر بھی تھیں جو روایتی مسلمان نظر آرہے تھے۔ ان کو آگے لاکر کمال نے اپنی حکومت کو مستحکم کیا۔ سنا ہے کہ تھوڑے ہی دنوں میں سارے کے سارے شہید کردئے گئے جس کا کچھ پتا بھی نہ چل سکا۔

اس کے بعد ہماری قونیہ روانگی ہوئی۔ دو دن کی کانفرنس وہاں پر تھی اور وہیں پر اختتامی تقریب بھی تھی۔ ہمارا یہ سفر ریل کے ذریعے ہوا جس کی رفتار ۲۵۰ کلومیٹر فی گھنٹہ ہوتی ہے۔ بندہ کو بہت ڈر محسوس ہورہا تھا کہ اتنی تیز رفتار تو بہت خطرناک ہوگی لیکن جب بیٹھے تو بہت ہی پُرسکون سفر تھا۔ ہر ایک آدمی اپنی سیٹ پر تھا۔ پوری ریل ایئر کنڈیشنڈ تھی۔ اس بات کو یاد کرتے ہوئے بہت ہی دکھ ہوا کہ ہماری ٹرینوں میں لوگوں کی بھیڑ، کھچا کھچ بھری ہوئی، کوئی کھڑے کوئی فرش پر بیٹھے، کوئی دروازے کے ساتھ لٹکے ہوئے، پھر بھی دیکھو تو ریلوے خسارے میں ہے۔ ہائے پاکستان کے بددیانت، بزدل اور بیوقوف سیاستدان۔

ہمارا قیام یونیورسٹی ہاسٹلوں میں ہوتا تھا کیونکہ طلبا کی چھٹیاں تھیں۔ ہاسٹل صاف ستھرے، تین طلبا کا ایک کمرہ ہوتا تھا جس کے ساتھ اپنا لیٹرین، باتھ روم ہوتا تھا۔ کمرہ صاف ستھرا، بستر صاف ستھرے نفیس، لیٹرین باتھ روم کی ہر چیز درست حالت میں۔ ہمارے پہنچنے سے پہلے دو، دو ٹائلٹ رول اور دو، دو پیپر ٹاول کے رول (بڑے سائز کے ٹشو پیپر جو بطور تولیہ استعمال ہوتے ہیں) رکھے ہوئے ہوتے تھے۔ کھانے، ناشتے کا بہت اعلیٰ بندوبست ہوتا تھا۔ ترکیہ والے مرچ مصالحے استعمال نہیں کرتے۔ زیتون، زیتون کا اچار اور روغن زیتون، قسم ہا قسم کے پنیر، شہد، مکھن، تازہ پھل اور سلاد ناشتے میں ہوتے تھے۔ کئی قسم کی ڈبل روٹیاں اور بن استعمال ہوتے ہیں۔ چائے بغیر دودھ کے پیتے ہیں۔ ان کی اپنی ترکی چائے کی پتی ہوتی ہے جو خوش ذائقہ ہوتی ہے۔ کھانے میں کھمبیوں (Mushrooms) کا سالن، بھنا ہوا گوشت، ڈبل روٹی، سلاد، ابلے ہوئے سفید چاول اور مختلف قسم

کے سالن ہوتے تھے۔ سلاد کا ترکی میں بہت زیادہ رواج ہے۔

ایک دن دوپہر کا کھانا قونیہ میں کھلایا۔ اس کھانے میں قونیہ کی خاص روایتی خوراک تھی جو کہ تقریباً چار فٹ لمبی اور تین انچ چوڑی روٹی ہوتی ہے جس پر تلا ہوا قیمہ لگا ہوتا ہے اور اس کو خاص طور سے لکڑی کی آگ پر پکاتے ہیں۔ جس طرح یہاں پیپسی اور کوکا کولا عام پیا جاتا ہے، ترکی میں اس کے مقابلے میں لسی کا رواج ہے۔ مختلف کمپنیوں کی تیار کردہ یہ لسی ۲۰۰ سی سی کے چھوٹے گلاسوں سے لے کر ایک اور ڈیڑھ لیٹر تک کی بوتلوں میں پیک دوکانوں کی فرجوں میں رکھی ہوتی تھی۔ ہم تو دیہاتی لوگ ہیں، خالص دودھ اور لسی کا ہمارا بڑا تجربہ ہے۔ واقعی اتنی اعلیٰ لسی ہوتی تھی جیسی ہم گھر پر بناتے ہیں۔ یہ لسی ترک ایئر لائن میں بھی ملتی ہے اور مسافر بڑے شوق سے پیتے ہیں۔

قونیہ شہر سلجوقوں کا دارالخلافہ ہونے کے علاوہ حضرت مولانا جلال الدین روم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی وجہ سے مشہور ہے۔ یہ مزار ان کی اپنی خانقاہ میں ہی ہے۔ اس قبرستان میں کافی ساری قبریں ہیں جن میں خاص طور سے ان کے شاگرد حسام الدین چلپیؒ کا مزار ہے۔ مثنوی شریف حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خاص روحانی وجد اور شوق و مستی کے حال میں بولی ہے۔ اس کو حسام الدین صاحبؒ نے لکھا ہے۔ ایک مزار یعقوب زرکوب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ یہ وہ بزرگ ہیں کہ جس زمانے میں مولانا رومؒ پر بہت سکت حالت جذب و صحو طاری تھی تو شیخ یعقوب زرکوبؒ کی دوکان کے پاس سے گزرے، یہ بزرگ چاندی سونے کے ورق ہتھوڑے سے کوٹ کوٹ کر بنایا کرتے تھے۔ صاحب دل تھے ساتھ اللہ اللہ بھی کرتے تھے۔ ان کا ذکر صرف زبانی نہیں تھا بلکہ سارے بدن کی رگیں اللہ اللہ کرتی تھیں۔ ایسا زندہ ذکر جب کوئی ایسا صاحبِ دل سنے جس پر حال صحو کا طاری ہو تو اس سے اپنے آپ کو قابو کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ پر حالتِ وارفتگی میں رقص طاری ہوا۔ یہ حال عارضی تھا۔ بعد میں ہوش و حواس بحال ہوئے۔ بغیر مدہوشی کے رقص درست چیز نہیں ہے، لیکن سیکولر دور میں ایک بہت بڑا کمپلیکس بنا کر مولانا رومؒ کو اس رقص کے حوالے سے پیش کیا گیا ہے۔

مزار کے باہر ایک فرضی قبر مولانا رومؒ کا غائبانہ شاگرد ہونے کی وجہ سے علامہ اقبال مرحوم کی بھی بنائی گئی ہے۔ مولانا رومؒ کے مزار سے کچھ دور جا کر ان کے شیخ جناب شاہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے۔ عام طور سے کہتے ہیں کہ یہ بھی فرضی ہے کیونکہ بوقتِ شہادت شاہ شمس تبریزؒ کی لاش غائب ہوگئی تھی۔

قونیہ میں اختتامی مجلس میں ان کے سابق وزیر اعظم احمد داؤد اوغلو تشریف لائے۔ پی ایچ ڈی پروفیسر ہیں، ان کی اپنی یونیورسٹی ہے اور بہت اعلیٰ مقرر ہیں۔ ان کے علاوہ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر صاحب مولانا رومؒ پر لیکچر دینے کے لئے آئے۔ مجلس میں بندہ آگے کی نشستوں پر بیٹھا ہوا تھا اور پاکستانی لنگی جسے مشہدی لنگی کہتے ہیں باندھے ہوئے شملہ اونچا کئے ہوئے تھا۔ اوغلو صاحب نے بیان ہی علامہ اقبال کے تذکرے سے شروع کیا اور کہا کہ علامہ اقبال مولانا رومؒ کے غائبانہ شاگرد ہیں اگرچہ ان سے ملاقات نہیں ہوئی ہے اور اپنے بارے میں کہا کہ میں نے اگرچہ علامہ اقبال کو نہیں دیکھا لیکن میں علامہ اقبال کا غائبانہ شاگرد ہوں اس لئے میں یوں کہوں گا کہ علامہ اقبال لاہوری نہیں ہے بلکہ اقبالِ قونوی ہے اور اسی طرح میں احمد داؤد قونوی نہیں بلکہ احمد داؤد لاہوری ہوں۔ علامہ اقبال کو وہاں کے دانشور طبقے میں بہت مقبولیت حاصل ہے۔

جناب احمد داؤد اوغلو نے اپنی تقریر میں اس بات کو واضح کیا کہ ترکی وہ ملک ہے جو ساری دنیائے اسلام کے مسائل میں ساتھ دینے کے لئے کمر باندھ کر تیار ہوتا ہے چنانچہ فلسطین، برما، کشمیر اور دیگر مسائل میں ترکی نے اقوامِ متحدہ میں ڈٹ کر تائید کی ہے۔ تقریر کے بعد اس سے ملنے کے لئے لوگوں نے ہجوم کرلیا۔ میرا خیال ہوا کہ میں اس ہجوم میں اس عمر اور صحت کے ساتھ کیسے مل سکتا ہوں۔ لیکن مجھے محسوس ہوا کہ وہ انتظار کر رہا ہے کہ یہ پاکستانی مجھ سے ضرور ملے۔ چنانچہ میں آگے بڑھا تو اس نے سب لوگوں کے سروں کے اوپر سے ہاتھ بڑھا کر مجھ سے مصافحہ کیا۔

پروفیسر صاحب کی مولانا رومؒ پر تقریر بھی بہت اعلیٰ تھی۔ تقریر کے بعد بندہ پروفیسر صاحب سے نماز کے دوران ملا اور علامہ اقبال کا فارسی کلام انھیں سنایا جس پر وہ بہت خوش ہوئے۔ (جاری ہے)

اصلاحی بیان بسلسلہ فہم القرآن

(پروفیسر ڈاکٹر قیصر علی صاحب، شعبۂ سول انجینئرنگ، یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، پشاور)

ضبط وترتیب: اشتیاق احمد صاحب، محمد حامد صاحب۔ مفید اضافات: علاؤالدین صاحب، عامر رضا صاحب

یہ بیان اسلامی جمعیت طلبہ کے مدعو کرنے پر انجینئرنگ یونیورسٹی کے ہاسٹل نمبر ۳ میں ڈاکٹر صاحب نے فرمایا جس میں تقریباً ۴۰۰ طلبا شریک ہوئے اور شروع سے آخر تک پورے ذوق شوق سے بیان سنا۔

....

اس بابرکت محفل میں گفتگو کے آغاز سے پہلے آپ حضرات سے اپنا تعارف کرواتا چلوں۔ میں یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی پشاور کے سول ڈیپارٹمنٹ میں پروفیسر ہوں اور فائنل ائیر کے طلبہ کو سٹرکچر ڈیزائن کا کورس پڑھاتا ہوں اور تصوف کے معروف سلسلہ، سلسلۂ چشتیہ سے تعلق رکھتا ہوں۔ عالم اسلام کی مشہور شخصیت حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ تھے، جن کے ساتھ میرے دادا مرشد حضرت پروفیسر مولانا اشرف خان سلیمانی پشاوری رحمۃ اللہ علیہ کا اصلاحی تعلق تھا۔ مولانا اشرف سلیمانی صاحبؒ پشاور یونیورسٹی میں عربی ڈپارٹمنٹ کے چیئرمین تھے۔ حضرت مولانا صاحبؒ رائے ونڈ تبلیغی مرکز کے بانی حضرت شاہ عبدالعزیز دعاجو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے جن کا تعلق حضرت رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے سے تھا۔ اس کے علاوہ مولانا صاحبؒ، مولانا فقیر محمد صاحب پشاوریؒ (خلیفہ مجاز حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ) کے بھی خلیفہ تھے۔

مولانا اشرف صاحبؒ اپنے اکابر کی طرح ایک بڑے عالم اور کئی کتابوں کے مصنف تھے، اور تبلیغی جماعت کے پشاور مرکز کے عرصہ پچیس سال تک امیر رہے۔ حضرتؒ تبلیغی جماعت کی عالمی شوریٰ کے بھی رکن رہے۔ تحریک پاکستان میں مسلم لیگ کے فورم سے جان پر کھیل کر حضرت نے قائد

اعظم کی زیرسرکردگی کام کیا۔ میرے شیخ ومربی حضرت پروفیسر ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کے خلیفہ ہیں۔ آپ خیبر میڈیکل کالج میں پروفیسر تھے اور شعبہ اناٹمی کے چیئرمین بھی رہے ہیں۔ آپ بھی تیس پینتیس سال تبلیغی جماعت سے وابستہ رہے۔ اس تعارف کا مقصد یہ ہے کہ کسی کو یہ غلط فہمی نہ رہے کہ میرا تعلق کسی خاص سیاسی جماعت سے ہے۔

آج مجھے اس بات سے نہایت مسرت اور خوشی ہوئی کہ اسلامی جمعیت طلبہ کے ساتھیوں نے مجھے فہم القرآن کے سلسلے میں اس محفل میں بلایا۔ اس کے لئے میں تہہ دل سے شکرگزار ہوں۔ اس سے پہلے کہ میں فہم القرآن کے موضوع پر بات کروں، میں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر آپ حضرات کی توجہ ایک اہم مسئلے کی طرف مبذول کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ آج کل مسلمانوں کو جہاں اور کئی مسائل کا سامنا ہے وہاں ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص یا جماعت دین کی اشاعت وفروغ کے لئے کام کر رہے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ دین کی سربلندی اور ترقی کے لئے محض وہی کام کر رہے ہیں، کوئی دوسرا نہیں کر رہا، یا جس طریقے سے وہ کام کر رہے ہیں بس وہی طریقہ درست ہے، باقی سب کا طریقہ غلط یا غیر مؤثر ہے، اور خواہش ہوتی ہے کہ سارے لوگ اپنا طریقہ چھوڑ کر ان کے ساتھ ملکر کام کریں، اور صرف اسی پر اکتفا نہیں ہوتا بلکہ دوسرے لوگ جو کہ کسی اور ذریعے سے دین کی خدمت کر رہے ہوں ان کے راستے میں روڑے اٹکاتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب کم علمی اور ناسمجھی کی باتیں ہیں۔

اشاعتِ دین یعنی دینِ اسلام کی سربلندی کے لئے کوشش کرنے کے چھ بڑے شعبے ہیں:

دعوت وتبلیغ، بیعت وتلقین، درس وتدریس، تصنیف وتالیف، قانون وآئین اور قتال۔

اشاعتِ دین کا پہلا شعبہ دعوت وتبلیغ کا ہے یعنی دین کا پیغام اور حق کی دعوت ساری دنیا کے انسانوں تک پہنچانا اور ان کو دین اسلام کی طرف مائل کرنا۔ میں دنیا کے کئی ممالک کا سفر کر چکا ہوں اور چونکہ انجینئرنگ کے شعبے سے تعلق رکھتا ہوں تو اکثر وبیشتر ممالک میں کانفرنسوں اور سیمینارز کے سلسلے میں جانا پڑتا ہے۔ اس دوران میرے مشاہدے میں یہ بات آئی کہ دین کے اس شعبے یعنی

دعوت وتبلیغ کے میدان میں تبلیغی جماعت نے دنیا میں اسلام کا پیغام پھیلانے کے سلسلے میں بہت عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔اس شعبے میں کام کرنے والے مسلمان بھائیوں کی طویل کوششوں کی بدولت دنیا کے ہر ملک اور خطے میں کوئی نہ کوئی بندہ آپ کو ضرور ایسا ملے گا جس نے تبلیغی جماعت میں وقت لگایا ہوگا۔اوراب وہ اپنے علاقے میں دین کی محنت کرنے والوں کے لئے معاون و مددگار ثابت ہو رہا ہوگا۔دنیا کے اکثر ممالک میں تبلیغی جماعت کے مراکز قائم ہیں جو نہ صرف وہاں بسنے والے مسلمانوں کی دینی رہنمائی کا کام کر رہے ہیں بلکہ غیر مسلموں تک بھی اسلام کا پیغام پہنچا رہے ہیں۔ تبلیغی جماعتیں دور دراز علاقوں میں جا کر وہاں کے لوگوں کے ساتھ دینی مسائل کے مذاکرے کرتی ہیں اور وہاں سے جو لوگ جماعت میں وقت لگاتے ہیں ان کی برکت سے پورے علاقے کی کایا پلٹ جاتی ہیں۔

اشاعت دین کا دوسرا شعبہ بیعت وتلقین یعنی تصوف ہے۔جس کو ''تزکیۂ نفس'' یا ''اصلاحِ نفس'' کا شعبہ بھی کہتے ہیں۔اس شعبے کا مقصد انسانوں کے دلوں پر محنت کر کے ان سے اخلاقِ رزیلہ (بری صفات) یعنی کبر، عجب، حسد، بغض، کینہ اور ریا نکال کر ان میں اخلاق حمیدہ (اچھی صفات) یعنی اخلاص، تواضع، ہمدردی اور خیر خواہی پیدا کرنا ہے۔قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کی بعثت کے فرائض میں سے ایک فریضہ تزکیہ بھی بیان ہوا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كَمَآ اَرۡسَلۡنَا فِيۡكُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡكُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيۡكُمۡ وَيُعَلِّمُكُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ

ہم نے تمہارے درمیان تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہارے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کرتا ہے، اور تمھیں پاکیزہ بناتا ہے، اور تمھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ (البقرۃ: ۱۵۱)

نبی کریم ﷺ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ابتدا میں دین کے سارے شعبے اکٹھے رہے۔پھر وقت گزرنے کے ساتھ بعض حضرات نے حضور پاک ﷺ کے ظاہری علوم کو زیادہ توجہ دی اور اسے پھیلایا۔انھوں نے قرآنِ پاک کی آیات کی تلاوت اور قرآن وحدیث کی تعلیم کو اپنا

مشغلہ بنایا۔ یہ حضرات بعد میں مفسرین، محدثین اور فقہا کہلائے۔ جبکہ بعض حضرات نے نبی کریم ﷺ کے فریضہ ''تزکیۂ نفس'' کو سنبھالا۔ ان حضرات نے مسلمانوں کی ظاہری و باطنی اصلاح کرنے اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت کے پھیلانے کو اپنا مقصد بنا لیا۔ یہ حضرات بعد میں صوفیاء کہلائے۔ صوفیائے کرام اللہ تعالیٰ کی محبت کے امین ہیں۔ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کی جو دولت عطا کی تھی وہ ان سے صحابہ کرامؓ کو ملی اور صحابہؓ سے تابعین کو ملی اور اس طرح سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی چلی آ رہی ہے۔ اسی کو ایک شاعر کہتا ہے:

جو آگ کی خاصیت، وہ عشق کی خاصیت

اک خانہ بہ خانہ ہے اک سینہ بہ سینہ ہے

پرانے زمانے میں آگ جلانے کے لئے عام طور پر ماچس نہیں ہوا کرتی تھی۔ ایک گھر کے چولہے سے جلتی ہوئی لکڑی لے کر دوسرے گھر والے اپنے چولہے میں رکھی ہوئی لکڑیوں کو جلا لیا کرتے۔ شاعر کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت بھی آگ کی مانند ہے کہ اگر آپ اللہ تعالیٰ کی محبت کی اس دولت کو پانا چاہتے ہیں تو یہ آپ کو کسی اللہ والے کی صحبت (Company) سے ہی ملے گی۔ یہ صرف کتابوں کے مطالعہ، انٹرنیٹ اور خالی خولی باتوں سے نہیں ملتی۔ اسی کو ایک اور شاعر یوں بیان کرتا ہے۔

تمنا درد دل کی ہے تو کر خدمت فقیروں کی

نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت اللہ تعالیٰ کی محبت کو حاصل کرنے کا کوئی اور بھی طریقہ ہے؟ انھوں نے فرمایا ''بھائی ہمیں تو یہی طریقہ آتا ہے'' (یعنی کسی اللہ والے کی صحبت اختیار کر کے اپنی اصلاح کروانا اور اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنا)۔ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ مشائخ تصوف اور اولیاء کرام نے اشاعت دین کا بھرپور کام کیا ہے۔ برصغیر میں حضرت معین الدین چشتیؒ، خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، نظام الدین اولیاءؒ، شاہ ولی اللہؒ، سید احمد شہیدؒ اور

ہمارے دیگر حضرات نے دین کا جو کام کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ان حضرات کے کارناموں کی تفصیل کے لئے کتاب تاریخ دعوت وعزیمت ملاحظہ کریں۔

دین کا کام کرنے کا تیسرا شعبہ مدارس کا ہے۔ دینی مدارس میں پڑھنے والے طلباء اور مدرسین نے اپنی ساری زندگیاں دین کی خدمت کے لیے وقف کی ہوئی ہیں۔علماء دین کے محافظ اور انبیاء کے وارث ہیں اور مدارس دین کے قلعے ہیں۔ یورپ کے ایک ملک مقدونیا(Macedonia) کے ایک مسلمان عالم شیخ ادریس سے میں نے پوچھا کہ آپ کے ملک سے یہ سب مساجد اور علماء دین آخر کیسے ختم ہو گئے؟ اس نے جواب میں کہا کہ میں نے روسی کمیونزم کا سیاہ دور اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ یہاں سے اسلامی تمدن اور مساجد وغیرہ ایک دن میں ختم نہیں ہوئے۔اس کام پر کمیونسٹوں نے کئی سال لگائے ہیں لیکن اس افسوس ناک عمل کی ابتداء انہوں نے اسلامی مدارس کے خاتمہ سے کی اور پھر آہستہ آہستہ سب کچھ ختم ہو گیا۔ کیونکہ مدارس کے خاتمہ سے نہ علماء کا وجود رہا اور نہ مسلمانوں کی دینی رہنمائی اور تعلیم وتربیت کا کوئی مرکز اور ادارہ رہا۔تو چاہے سیاست ہو، دعوت تبلیغ ہو یا تصوف ہو جب علمائے حق نہیں ہوں گے تو حق و باطل کی تمیز نہیں رہے گی۔ اور پھر یہ تمام سرگرمیاں اور کاوشیں بے فائدہ ہو کر رہ جائیں گی۔

چوتھا شعبہ تصنیف وتالیف کا ہے۔اس شعبے سے تعلق رکھنے والے حضرات اپنی کتابوں اور تحریروں کے ذریعے سے معاشرے کی اصلاح اور اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کا کام کر رہے ہیں۔ یہ شعبہ کس قدر اہمیت کا حامل ہے اس کو ایک فقہی مسئلے سے سمجھ لیں، وہ یہ کہ اگر اسلام کے خلاف کوئی کتاب لکھی جائے تو تمام مسلمانوں پر اس کتاب کا جواب دینا فرضِ کفایہ ہے۔اور اگر کسی نے بھی جواب نہیں دیا تو سب گناہ گار ہوں گے۔تصنیف وتالیف کے شعبے سے منسلک حضرات دین کی بہت بڑی خدمت کر رہے ہیں۔انہی حضرات کی بدولت آج اسلامی تعلیمات کا وسیع ذخیرہ ہمارے پاس کتابوں کی صورت میں موجود ہے۔جن میں احادیث کی مشہور کتابیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ اور

فقہ کی کتابیں شامل ہیں۔اسی طرح امام غزالیؒ کی لکھی ہوئی کتابوں میں احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت جبکہ مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تصانیف میں ان کی لکھی ہوئی تفسیر بیان القرآن اور مسائل کی کتابیں بہشتی زیور اور بہشتی گوہر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔اور شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات فضائل اعمال اور فضائل صدقات تو پوری دنیا میں پڑھی جاتی ہیں۔ان کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں دوسری کتابیں ہیں۔جو بھی یہ کتابیں پڑھتا ہے تو ان کے مصنفین کو اس کا اجر ملتا ہے۔کتنے ہی لوگ ہمیں ایسے ملتے ہیں جن کی زندگی میں کوئی اچھی کتاب پڑھنے سے ایک انقلاب آجاتا ہے۔

پانچواں شعبہ سیاست کا ہے۔سیاست کے معنی ہیں حسن تدبیر سے انتظام چلانا یعنی ''اپنے آپ اور پوری قوم کو دنیا و آخرت کے تمام خطرات اور مصیبتوں سے بچا کر چلانا اور دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی دلوانا، معاشرے میں امن و امان اور عدل و انصاف کو قائم کرنا، اور شریعت کا نفاذ کرنا''۔الحمدللہ آج بھی سیاست کے میدان میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اخلاص کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ان حضرات کا وجود رحمت ہے۔وہ اس وجہ سے کہ اسمبلی میں جب کوئی خلاف دین بل پیش کیا جاتا ہے تو یہ حضرات اس کی مخالفت کرتے ہیں۔اسی طرح مختلف اوقات میں دینی ضروریات کو مد نظر رکھ کر اپنے بل اسمبلی میں پیش کرتے ہیں۔یہ کام سیاست سے باہر رہتے ہوئے کرنا انتہائی مشکل ہے۔

چھٹا شعبہ قتال (جہاد) کا ہے۔جہاد، جدوجہد اور کوشش کو کہتے ہیں جس کی انتہا قتال ہے۔ یعنی دین کی حفاظت اور سربلندی کی خاطر کفار سے لڑنا اور اپنی جان کی بازی لگا دینا۔تاریخ اسلام جرأت و بہادری اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنا تن من لٹانے کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ جب بھی کفار اشاعت دین کی راہ میں رکاوٹ بنے ہیں یا انھوں نے اسلامی سرحدات پر یلغار کی ہے تو اللہ کے شیروں نے ان کو منہ توڑ جواب دیا ہے اور اللہ کی راہ میں شہادت کو دل و جان کی راحت کا

سامان سمجھا ہے۔ جب بھی ایسا موقع آئے تو اس وقت سب سے مقدم اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی جان کو اس کی رضا کی خاطر قربان کردینا ہے۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

نبی کریم ﷺ کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔ اس وقت سے لے کر آج تک جب بھی جہاد کا موقع آیا ہے تو آپ ﷺ کے نام لیواؤں نے ہر موقع پر سرفروشی کی داستانیں رقم کی ہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اسی کو شاعر کہتا ہے۔

سلام اس پر کہ جس کے نام لیوا ہر زمانے میں
بڑھا دیتے ہیں ٹکڑا سرفروشی کے فسانے میں

دین اسلام کے یہ سپاہی جہاں جہاں گئے ہیں وہاں اپنے بہترین اخلاق سے لوگوں کے دل جیتے ہیں اور ان کو دین اسلام کی دولت سے مالا مال کیا۔

یہ دین کی محنت کے چھ شعبے ہیں۔ آج یہ ساری باتیں اِس لئے آپ کی خدمت میں پیش کیں تاکہ آپ اس بات کو ذہن نشین کرلیں کہ دین کی اشاعت اور پھیلاؤ کے یہ سارے شعبے بہت بڑا کام کررہے ہیں کسی ایک شعبے کا دوسرے شعبے سے مقابلہ نہیں کرنا چاہئے، جس طرح آج کل ہو رہا ہے۔ تبلیغی جماعت میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جب دعوت وتبلیغ کا کام بڑھ کر ترقی کر جائے گا تو خود بخود ایک انقلاب اور تبدیلی آجائے گی، اور یہ کہ اگر کوئی دین کا کام ہو رہا ہے تو وہ صرف ہم ہی کر رہے ہیں۔ دوسرے شعبوں والے یا تو کام ہی نہیں کر رہے اور اگر کر بھی رہے ہیں تو غلط سمت میں کر رہے ہیں۔ بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ تبلیغ کا کام صحابہ کے بعد بند ہو گیا تھا اور ۱۹۲۵ء میں مولانا الیاسؒ کے ذریعے سے شروع ہوا تو یہ رائے اور طرز فکر ایک بہت بڑی غلطی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ تبلیغ صرف سہ روزے اور چلّے کا نام نہیں جیسا کہ آج کل سمجھا جاتا ہے بلکہ دین کی کسی بھی بات کو شرعی

لحاظ سے درست طریقہ اختیار کر کے کسی دوسرے تک پہنچانا تبلیغ ہے۔اور دوسری بات یہ کہ آج کل کی مروجہ تبلیغی ترتیب جو بہت مبارک اور مؤثر ترتیب ہے، آج سے ۹۱ سال پہلے شروع ہوئی۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے پہلے تبلیغ کا کوئی نظام ہی نہیں تھا۔نہیں بلکہ دعوت وتبلیغ کا سلسلہ تو حضور ﷺ کی مبارک زندگی ہی میں شروع ہوا۔حضور ﷺ نے خود بہ نفس نفیس تن تنہا بھی دین کی تبلیغ کی ہے اور صحابہ کرامؓ کے وفود بھی بنا کر مختلف علاقوں میں بھیجے ہیں۔اس کے بعد تابعین اور تبع تابعین سے ہوتے ہوئے یہ سلسلہ جاری رہا اور ہمارے اکابر اولیاء کرام اور علماء عظام دنیا کے کونے کونے میں جا کر دعوت وتبلیغ کا عظیم فریضہ انجام دیتے رہے۔خود ہمارے ہاں ہندوستان و پاکستان میں پہلے پہل ہمارے چشتیہ سلسلے کے بہت بڑے ولی اللہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور ہندوستان میں توحید کی شمع روشن کی، اور پھر جب خدا کو منظور ہوا تو مولانا الیاسؒ کے ذریعے سے موجودہ ترتیب شروع ہوئی۔

اسی طرح تصوف میں بعض نام نہاد صوفی صرف روحانیت کی رٹ لگاتے ہیں اور شریعت کے اتباع کی بجائے صرف احوال و کیفیات کے پیچھے پڑے ہوتے ہیں۔ایسے لوگ ہرگز قابل اتباع نہیں۔انھیں کے بارے میں اقبال کہتا ہے۔

صوفی کی طریقت میں فقط مستیٔ احوال
ملا کی شریعت میں فقط مستیٔ گفتار
وہ مردِ مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو
ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستیٔ کردار

کچھ لوگ تصوف اور تبلیغ کا آپس میں مقابلہ کرتے ہیں۔حالانکہ ان میں کوئی مقابلہ آرائی نہیں۔تبلیغ کی موجودہ ترتیب صوفیا کی محنت کا نتیجہ ہے۔دعوت وتبلیغ کی مثال سکول یا کالج کی سی ہے جہاں ابتدائی تعلیم دی جاتی ہے اور تصوف کے شعبہ کی مثال یونیورسٹی کی ہے جہاں اعلیٰ تعلیم اور پی ایچ

ڈی کروائی جاتی ہے۔دونوں کی افادیت اپنی اپنی جگہ ہے۔اگر کوئی یہ کہے کہ سکول اور کالج کی ضرورت نہیں تو یہ اس کی غلط فہمی ہے اور اگر کوئی یونیورسٹی کو بیکار سمجھے تو یہ اس کی ناسمجھی ہے۔

اسی طرح سیاسی جماعتوں کے کارکن یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارا کام سب سے اعلیٰ ہے۔ کیونکہ ہم ملک میں اسلامی حکومت کے قیام کے لئے جدوجہد کررہے ہیں۔اور سیاست میں کام کرنے والے بعض لوگوں کا یہ تصور ہے کہ جب ہماری حکومت آجائے گی تو ہم شریعت کو نافذ کریں گے اور جیسے بھی ہو بس ہماری حکومت آجانی چاہیئے۔یہ تصور درست نہیں ہے۔اس ضمن میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں۔غزوہ بدر کا واقعہ ہے کہ حضرت حذیفہؓ اور ان کے والد حضرت یمانؓ مسلمان ہوکر نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کے لئے آرہے تھے۔کفار نے انھیں روک لیا اور ان سے پوچھا کہاں جارہے ہو؟انھوں نے جواب میں حقیقت حال بتائی تو کفار نے ان سے کہا کہ ہم اس وعدہ پر آپ کو مسلمانوں کے پاس جانے دیں گے کہ اگر آج ہمارے اور مسلمانوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی تو آپ ہمارے خلاف لڑائی میں حصہ نہیں لیں گے۔ان دونوں حضرات نے وعدہ کرلیا کہ وہ جنگ میں حصہ نہیں لیں گے۔جب یہ دونوں حضرات دربار رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے تو اپنا واقع سنا کر کہنے لگے کہ چونکہ کفار کی تعداد زیادہ ہے اسلئے ہمیں بھی جہاد میں جانے کی اجازت دیں تو اس وقت نبی کریم ﷺ نے انھیں تاریخ ساز جواب دیا کہ ہم اللہ کا حکم پورا کرنے کیلئے میدان میں آئے ہیں،ہار اور جیت سے ہمیں کوئی غرض نہیں۔اس لیے آپ دونوں نے چونکہ کفار سے وعدہ کرلیا ہے اس لئے وعدہ نبھایا جائے گا اور آپ اس جنگ میں حصہ نہیں لیں گے۔

آج ہم نے ایڑی چوٹی کا زور صرف اس بات پر لگایا ہوتا ہے کہ جس طریقے سے بھی ہو ہماری حکومت آنی چاہیئے۔یہ طریقہ درست نہیں۔انسان کو اپنے وسائل اور بس کے مطابق خلوص نیت سے کام کرنا چاہیئے۔نتیجہ تو اللہ کی مرضی اور حکم پر منحصر ہے۔اس لیے دین کا کام کرتے ہوئے شریعت کے مطابق عمل کریں یہ نہ ہو کہ سیاست میں کام کرنے والا یہ سوچ کر دوستوں کے ساتھ فلم

دیکھنے جائے کہ بدلے میں یہ لوگ میری جماعت کو ووٹ دینگے۔ یا تبلیغ والا کہے کہ میرے ساتھ چلّے پر جائیں گے۔ یہ شیطان کا بہکاوا ہے۔ آپ سنت رسول ﷺ کے مطابق شریعت کی حدود کے اندر کام کرتے رہیں اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیں اور اس کے ساتھ ساتھ دوسرے شعبوں میں کام کرنے والوں کیلئے دل میں محبت اور خیر خواہی کے جذبات رکھیں۔ اور یہ سمجھیں کہ یہ تو ہمارا ہی کام کررہے ہیں۔

آج جو ہم سب اس ہاسٹل میں اس مبارک مجلس میں بیٹھے ہوئے ہیں انہی ہاسٹلوں میں سے ایک ہاسٹل میں ایک طالب علم کو موسیقی سننے پر جان سے مار دیا گیا۔ فائنل ائیر کے جو طلبہ میرے شاگرد تھے میں نے ان سے یونیورسٹی میں پوچھا کہ اگر اس مارے جانے والے طالب علم کی جگہ آپ کا اپنا سگا بھائی ہوتا تو کیا آپ اس کو بھی اسی طرح قتل کر دیتے جس طرح اس کو مار دیا گیا۔ جواب میں انھوں نے کہا کہ کبھی نہیں بلکہ ہم اسے سدھرنے کا موقع دیتے۔ تو میں نے ان سے کہا کہ میری ایک بات غور سے سنو اور اس پر ہمیشہ سوچ بچار کرتے رہو، وہ یہ کہ کوئی بھی شخص یا گروہ ڈنڈے کے زور پر کبھی بھی اسلام نافذ نہیں کر سکتا۔ امر بالمعروف ونھی عن المنکر دین کا پورا ایک شعبہ ہے اس کی تفصیل کسی عالم سے پوچھیں اور سمجھیں۔ آپ لوگ تو دین کے نام پر اپنی آخرت خراب کرنے کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ آپ کسی عالم اور مفتی صاحب سے پہلے پوچھیں کہ ہاسٹل میں ایک طالب علم ٹیپ ریکارڈر پر گانے بجاتا ہے اس کے بارے میں ہماری رہنمائی کریں۔ یہ تو نہیں کہ ہر آدمی ہاتھ میں ڈنڈا اٹھائے اللہ اکبر کہتا ہوا کسی بھی بات پر لوگوں کو قتل کرتا پھرے۔ یہ تو اسلام نہیں۔ جب سیاست والے دین کی اصل روح کو چھوڑ دیتے ہیں تو پھر یہی ہوتا ہے جس کو اقبال کہتے ہیں ۔

جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

کچھ لوگ صرف جہاد پر زور دیتے ہیں حالانکہ جو لوگ بغیر اصلاح کرائے ہوئے جہاد کے لیے چلے جاتے ہیں تو وہ بجائے اصلاح کے فساد برپا کر دیتے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ کہتے ہیں کہ صرف مدارس ہونے چاہئیں۔ افسوس اس بات پر ہے کہ آج دین کے یہ چھ شعبے ایک دوسرے کی

حمایت کی بجائے مخالفت کر رہے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہئے کہ دین کی اشاعت و ترقی کا کام کرنے والے سارے شعبوں کے لوگ ایک دوسرے کا احترام کریں اور باہمی خیر خواہی کا رویہ اپنائیں۔ کچھ عرصہ پہلے گاؤں میں رواج تھا کہ لوگ گندم کی کٹائی کے لئے گاؤں والوں کو جمع کرتے اور سب مل کر گندم کاٹتے۔ جسے پشتو میں 'اُشر' کہتے ہیں۔ تو اشر میں اگر کوئی بندہ مضبوط ہو اور زیادہ گندم کاٹتا ہو تو آپ اس سے خوش ہوں گے کہ نہیں؟ ضرور ہوں گے کیونکہ وہ آپ ہی کے کام میں مدد کر رہا ہے۔ اس لیے اگر ایک آدمی سیاست کے میدان میں دین کی سربلندی کے لیے اخلاص سے کوشش کر رہا ہے اور ایک تبلیغ میں کام کرنے والا شخص اس کے متعلق یہ کہے کہ اس آدمی کو سیاست چھوڑ کر ہمارے ساتھ آنا چاہیئے اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو وہ غلط کر رہا ہے تو تبلیغی بھائی کی یہ سوچ اخلاص کے خلاف ہوگی۔ اور ایسا سوچنے والا شخص بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہے وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ میں دین کی ترقی کیلئے کام کر رہا ہوں حالانکہ ایسا شخص دین کی ترقی نہیں چاہتا بلکہ تبلیغی جماعت کی ترقی چاہتا ہے۔ اِسی طرح اگر سیاست میں کام کرنے والا کوئی شخص سوچتا ہے کہ تبلیغ والے سیاست کی بات نہیں کرتے تو سیاست میں کام کرنے والے اس شخص کی سوچ بھی درست نہیں ہے۔ اور یہ شخص کم فہمی اور غلطی کا شکار ہے کیونکہ یہ سمجھتا ہے کہ جو کام میں کر رہا ہوں کام تو بس وہی ہے باقی تو سب لوگ وقت ضائع کر رہے ہیں۔ تو یہ سوچنے والا آدمی دین کا کام نہیں کر رہا بلکہ اپنی جماعت کے ووٹ بڑھانے کیلئے کام کر رہا ہے حالانکہ مقصود اپنی جماعت کے ووٹ بڑھانا نہیں بلکہ مقصود تو رضائے الٰہی اور اشاعت دین ہے۔

مقدونیا میں میری ملاقات ایک بہادر مسلمان بھائی سیف اللہ سے ہوئی۔ سیف اللہ یوگو سلاویہ کی فوج کے کمانڈوز میں سے تھا۔ مسلمان ہونے کی وجہ سے بے پناہ تشدد سے گزارا گیا لیکن اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم سے وہ ہر اذیت کو برداشت کرتا رہا۔ بعد آزاں جب روس ٹوٹ گیا اور مقدونیا آزاد ہو گیا تو وہاں پہلی بار اذان اس مردِ مجاہد نے دی۔ سیف اللہ بھائی نے اس خطہ میں دین کی اشاعت اور ترقی کیلئے بہت کام کیا ہے تو کیا ہم یہاں بیٹھے اسی زعم میں مبتلا رہیں کہ اگر کوئی کام کر

رہا ہے تو صرف ہم ہی ہیں۔ ایسا سوچنا اخلاص کے منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ریا کاری اور عجب سے بچائے۔ دین کا کام کرنے والوں میں اخلاص ہونا چاہیے۔ انہیں روحانی طور پر بھی مضبوط شخصیت و کردار کا حامل ہونا چاہیے۔ اور اپنے شعبے میں کام کرنے کے ساتھ ساتھ ہر وقت اپنی اصلاح پر کڑی نظر اور اپنی فکر ہونی چاہئے۔

جو مضمون مجھے بیان کرنا تھا وہ تو میں نے بیان کر دیا اب اس محفل کے موضوع فہم القرآن کے سلسلے میں کچھ باتیں عرض کر دیتا ہوں۔ سب سے پہلی بات جو اس لفظ 'فہم القرآن' سے متعلق ہے اور میں نے اپنے شیخ و مربی حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم سے سیکھی ہے وہ کہ یہ لفظ فہم نہیں بلکہ فَہم ہے یعنی زیر کے ساتھ نہیں بلکہ زبر کے ساتھ ہے اور اس کے معنیٰ ہیں سمجھ بوجھ تو فہم القران کا مطلب ہوا قرآن کی سمجھ بوجھ۔ اور قرآن کو سمجھنے کا حق یہ ہے کہ اس کی تعلیمات پر عمل کیا جائے۔ صرف معلومات کو قرآن فہمی کہنا صحیح نہیں۔

کچھ عرصہ پہلے ملائیشیا کا ایک خلاباز (Astronomer) سائنسی تحقیقات کیلئے خلا کے سفر پر گیا۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا وہاں اسے چند مسئلے ایسے درپیش ہوئے جس کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔ جیسے وضو میں یہ شرط ہے کہ پانی چہرے پر بہہ جائے۔ لیکن چونکہ خلا میں Gravitational Force یعنی کشش ثقل نہیں ہوتی اس لئے پانی بہنے کی بجائے چہرے اور ہاتھ پاؤں سے چپک جاتا ہے۔ اور جب پانی بہے گا نہیں تو وضو نہیں ہوگا۔ اس طرح سجدہ کس طرف کرے گا یعنی رخ کس طرف رکھے گا۔ پھر روزہ کے اوقات سحر اور افطار کا مسئلہ۔ مختصر یہ کہ اس نے ایک سوالنامہ بھیجا۔ تو آپ کو معلوم ہے اس کے سوالوں کا جواب کس نے دیا؟ Standford University امریکہ کے ایک یہودی پروفیسر نے اس مسلمان خلاباز کو اس کے سوالوں کا جواب دیا اور وہ بھی بالکل صحیح اور درست۔ اس یہودی پروفیسر کو قرآن کا علم تو حاصل تھا لیکن فہم نہیں تھا۔ اسی لئے تو اس نے اسلامی احکامات کے مطابق سو فیصد صحیح اور درست جواب دیا لیکن فہم نہ ہونے کی وجہ سے وہ عمل (یعنی اسلام قبول کرنے

کی توفیق سے محروم تھا۔ لہٰذا آخرت کے لحاظ سے ناکام رہا۔ تو فقط قرآن کا ترجمہ وتفسیر سمجھنا مکمل عمل نہیں، بلکہ ادھورا کام ہے۔ یہ مکمل تب ہوگا جب ہمارا عمل بھی عین قرآن کے تقاضوں کے مطابق بن جائے۔ اور قرآن کی نورانیت اور روحانیت ہماری زندگی میں آ جائے۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ صحابہ کرامؓ کی تمام جماعت عربی زبان جانتی تھی یا نہیں؟ یقیناً جانتی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے یہ کیوں ارشاد فرمایا کہ قرآن کی آیات کی تلاوت کرنا بھی آپ کی ذمہ داری ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دینا بھی آپ کی ذمہ داری ہے۔

اس کے علاوہ آج کل کے دور میں یہ بھی ایک بہت بڑی غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے کہ ہر شخص یہ سوچتا ہے کہ اگر میں عربی زبان کا چند ماہ کا کورس کرلوں تو پھر میں اس قابل ہو جاؤں گا کہ قرآن سے مسائل نکالوں۔ یہ بہت خطرناک اور نقصان دہ بات ہے۔ قرآن میں دو قسم کے مضامین بیان ہوئے ہیں۔ ایک قسم کے مضامین تو نصیحت کے ہیں جس کے بارے میں ارشاد ہے

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (قمر:۱۷)

ترجمہ: اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنا دیا ہے۔

یہاں پر لفظ ''ذکر'' استعمال ہوا ہے جس کے معنی نصیحت کے ہیں۔ دوسری قسم کے مضامین احکام اور مسائل پر مشتمل ہیں۔ تو قرآن مجید نصیحت کے لئے آسان ہے دینی مسائل کے استنباط (Derivation) کے لئے آسان نہیں ہے۔ ہاں یہ نصیحت کے لئے آسان ہے، اس کے عبرت آموز قصے، گزشتہ اقوام کے واقعات نصیحت کے لئے آسان ہیں۔ اور انتہائی دلچسپی اور کشش کے حامل ہیں۔ جنت ودوزخ اور آخرت کے حالات جب قرآن بیان کرتا ہے تو آدمی پر ایک روحانی کیفیت طاری ہوتی ہے جو انسان کی آخرت کے لئے نیک اعمال میں مدد کرتی ہے۔ اور خوف خدا اور حب الٰہی کے پیدا ہونے کا ذریعہ ہے۔ لیکن قرآن سے احکامات کا استنباط عام لوگوں کے بس کی بات نہیں چاہے کوئی لاکھ عربی زبان جانتا ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ فقط ایک سورۃ البقرہ سیکھنے میں

مجھے پانچ سال لگ گئے۔ حالانکہ وہ تو عربی جانتے تھے بلکہ اہل زبان تھے پھر کیوں ایک سورۃ سیکھنے میں پانچ سال لگے؟ ان سے کسی نے پوچھا تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ جب تک میں دس آیات کو پڑھ کر ان پر عمل نہیں کر لیتا تھا آگے نہیں بڑھتا تھا۔ اور آج اگر کوئی شخص تھوڑی بہت عربی زبان سیکھ لے تو فوراً اس زعم میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ میں اب اس قابل ہوں کہ قرآن کے مضامین کو خود سمجھ سکوں۔ بلکہ لوگ تو اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ جاتے ہیں اور قرآن پاک کا ترجمہ اور تفسیر لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ انتہائی خطرناک اور نامناسب بات ہے۔

علمائے کرام کہتے ہیں کہ قرآن کی تفسیر کے لئے چار بنیادی علوم آنے چاہئیں۔ ان میں ایک تو عربی زبان پر مکمل عبور ہے۔ مدارس میں آپ جائیں تو وہاں طلبہ کو وہ عربی بھی پڑھائی جاتی ہے جو حضور پاک ﷺ کے مبارک زمانہ اور اس سے پہلے جزیرہ عرب میں رائج تھی۔ اس کے طویل قصیدے اور نظمیں طلبہ کو پڑھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں۔ تاکہ وہ عربی زبان کی وہ استعداد حاصل کر لیں کہ قرآن کے مفہوم کو سمجھ سکیں۔ دوسری چیز علم حدیث ہے۔ قرآن کی تشریح احادیث کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا مفہوم ہے کہ:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْکَ الذِّکْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ (النحل: ۴۴)

میں نے قرآن نازل کیا اور آپ قرآن کو ان کے سامنے بیان کریں۔

لہٰذا قرآن کی تشریح حضور پاک ﷺ نے خود کی ہے۔ حدیث کی کتاب صحیح بخاری آپ دیکھیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ سورۃ فاتحہ سے لے کر سورۃ الناس تک تقریباً قرآن کی ہر سورۃ کی تشریح احادیث میں موجود ہے۔ اس لیے علم حدیث کے بغیر قرآن کی تشریح نہیں ہوسکتی۔ تیسری چیز فقہ اور تفسیر کا علم ہے اور چوتھی چیز اصول عقائد و کلام یعنی عقائد اور منطق کا علم۔ قرآن کی تشریح احادیث مبارکہ ہیں اور حدیث کی تشریح صحابہؓ کا عمل ہے۔ تو قرآن کی تشریح کے لیے اتنے علوم کی ضرورت ہے۔ ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ جو بغیر علم کے قرآن کی تشریح کرے تو وہ جہنمی ہے۔ آپ

حضرات جب قرآن کا ترجمہ یا تفسیر پڑھیں تو اس میں بہت احتیاط کریں۔ ایسی تفسیر پڑھیں جس پر جمہور علماء متفق ہوں۔ مودودی صاحب کی تفسیر پر چونکہ کچھ علماء کو تحفظات ہیں لہٰذا آپ لوگ مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تفسیر ''بیان القران''، شبیر احمد عثمانیؒ کی تفسیر ''تفسیر عثمانی''، مفتی شفیع صاحبؒ کی تفسیر ''معارف القرآن'' پڑھیں یا مفتی تقی عثمانی صاحب کی تفسیر ''آسان ترجمہ قرآن'' جو بہت سادہ اور آسان ترجمہ اور تفسیر ہے اس کو پڑھیں۔

ایک یہ بات ذہن نشین کریں کہ صحابہ کی محبت کے بغیر بھی دین نامکمل ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں۔ اِن میں سے جس کسی کی پیروی کرو گے فلاح پاؤ گے۔ ایک دوسرے ارشاد کا مفہوم ہے جو میرے صحابہؓ سے محبت رکھتا ہے گویا مجھ سے محبت رکھتا ہے۔ اور جو اِن سے بغض رکھتا ہے وہ مجھ سے بغض رکھتا ہے۔ اس لیے آپ سب حضرات سے درخواست ہے کہ اگر کہیں کوئی ایسا مواد صحابہؓ کے متعلق آپ کی نظر سے گزرے یا آپ سنیں تو پہلے تو اس کی اچھی توجیہہ (تاویل) کر دیا کریں ورنہ صاف کہہ دیا کریں کہ مجھ سے قبر میں ان باتوں کے متعلق نہیں پوچھا جائے گا تو میں کیوں ان کی تحقیقات میں پڑوں۔ آپ نے کبھی یہ نہیں سنا ہوگا کہ کوئی شخص اپنے والد اور چچا کے درمیان اختلافات کے چرچے سر عام کرتا پھر رہا ہو بلکہ سمجھدار آدمی ایسی باتوں کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ تو جس طرح خاندانی بزرگوں کی بے عزتی ہم سے برداشت نہیں ہوتی اسی طرح اپنے دینی اکابر کے بارے میں بھی انتہائی احترام اور ادب کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ صحابہؓ حضور پاک ﷺ کے اولین شاگرد اور ساتھی تھے۔ حضور ﷺ انہیں ہر چیز سے بڑھ کر عزیز تھے۔ وہ آپ ﷺ کے ایک اشارے پر سب کچھ قربان کرنے والے تھے۔ اور آپ ﷺ کی ہر ادا انھیں اپنی جان سے زیادہ محبوب تھی۔

حضرت عثمانؓ کا واقعہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے انھیں کفار مکہ سے مذاکرات کے لیے بھیجا۔ حضرت عثمانؓ کا بہت بڑا قبیلہ تھا بنوامیہ کا۔ اور مالدار آدمی تھے۔ ان کے چچا زاد بھائی ملنے کے لیے آئے تو انھوں نے دیکھا کہ یہ تو وہ عثمانؓ نہیں رہے جو پہلے تھے۔ عربوں میں

اس وقت لنگی ٹخنوں سے اوپر باندھنا ذلت کی نشانی سمجھی جاتی تھی اور عزت کی نشانی یہ سمجھی جاتی تھی کہ لنگی زمین پر گھسٹتی ہو۔ جبکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہوا تھا کہ لنگی کو آدھی پنڈلی تک باندھیں گے ورنہ ٹخنوں سے اوپر تو ضرور باندھیں گے۔ ان کو چچا زاد بھائیوں نے کہا کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ آپ تو ہماری عزت کو خاک میں ملا دیں گے۔ آپ ذرا اس لنگی کو نیچے کریں۔ انھوں نے کیا جواب دیا؟ نیچے اپنی لنگی کو دیکھا، پھر انھیں دیکھا اور فرمایا: ''لیکن میرے حبیب ﷺ تو ایسے ہی کرتے ہیں۔'' کوئی دلیل نہیں دی، کوئی بحث و تکرار نہیں کی۔ بڑی سادگی سے اپنے لنگی کو دیکھا اور فرمایا'' میرے حبیب تو ایسے ہی کرتے ہیں''۔ ان کے بار بار اصرار کرنے پر بھی آپؓ یہی فرماتے رہے۔ کیونکہ جس کو وہ لوگ عزت سمجھتے تھے وہ آپؓ کو مطلوب ہی نہیں تھی بلکہ اس کے مقابلے میں آپؓ کو وہ بدنامی، جو محض ان لوگوں کے خیال میں بدنامی تھی، زیادہ محبوب تھی جس سے آپؓ کے محبوب ﷺ راضی ہوں۔ اس کو ایک شاعر بیان کرتا ہے۔

گرچہ بد نامی است نزد عاقلاں

ما نہ می خواھیم ننگ ونام را

ترجمہ: اگرچہ دنیا کے نام نہاد دانشوروں کی نظر میں یہ (میرا عمل) بدنامی ہے لیکن میں کیا کروں کہ میں کسی عزت اور نام و نمود کا خواہشمند ہی نہیں ہوں۔

ایک دوسرے صحابی ہیں ابو محذورہؓ۔ فتح مکہ کے وقت چھوٹی عمر کے تھے۔ جب مکہ فتح ہو گیا، حضرت بلالؓ اذان دے رہے تھے۔ تو انھوں نے حضرت بلالؓ کی نقل اتارنی شروع کی۔ یہ صحابی خود کہتے ہیں کہ اس وقت میرے دل میں آپ ﷺ کے لئے بہت نفرت تھی کہ ان لوگوں نے ہمارے شہر پر قبضہ کر لیا ہے۔ جب نبی کریم ﷺ نے میری آواز سنی تو مجھے اپنے پاس بلایا اور میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ آج کے بعد مکہ مکرمہ میں اذان آپ دینگے۔ فرماتے ہیں کہ اس وقت میرے دل میں محبت کے ایسے جذبات اٹھے کہ میرا جی چاہا ابھی جان نچھاور کروں۔ یہ صحابی جوان

ہوئے، بوڑھے ہوئے لیکن مرتے دم تک بال نہیں کاٹے۔ لوگ ان سے کہتے کہ آپ نے بال اتنے لمبے کیوں کئے ہیں ان کو کاٹتے کیوں نہیں؟ وہ فرماتے کہ آخر ان پر ہاتھ کس نے پھیرا ہے! بھلا میں ان کو کاٹ سکتا ہوں! یہ صحابہ کرامؓ کی نبی کریم ﷺ سے محبت کی مثالیں ہیں۔ انہی صحابہؓ کے ذریعے سے قرآن مجید اور اس کی تفسیر ہم تک پہنچی ہے۔

آپ لوگ درس قرآن کی مجالس ضرور منعقد کیا کریں۔ لیکن جب کبھی قرآن مجید کی کسی آیت کی تشریح کریں تو مستند تفاسیر پر انحصار کریں۔ اور کبھی اپنی رائے سے قرآن کی تشریح نہ کریں۔ یہ انتہائی خطرے کی بات ہے۔ اسی طرح اپنی مجالس میں درس کے لیے ان آیات کو مدنظر رکھیں جن میں نصیحتیں ہوں اور جنت وجہنم کا تذکرہ ہو۔ آج کل ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ میں یہ بیماری پھیلی ہوئی ہے کہ انگریزی اخبار کے دو آرٹیکل پڑھ کر اور ٹی وی پر ٹاک شو دیکھ کر اپنے آپ کو دانشور سمجھنے لگتے ہیں اور ہر معاملے میں اپنی رائے پیش کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ قرآن مجید کی آیات کے بارے میں بھی Basically اور Actually کہہ کر کہتے ہیں کہ ہمارا تو یہ خیال ہے اس کے بارے میں۔ اس معاملے میں انتہائی احتیاط کریں۔ خدانخواستہ کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکل جائے کہ ایمان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔

لہٰذا جو بھی عمل کریں اور دین و دنیا کے جس شعبے سے بھی تعلق رکھیں، اللہ تعالیٰ کے حکم اور نبی کریم ﷺ کے طریقہ کے مطابق زندگی گزاریں پھر آپ دیکھیں کہ اللہ آپ کو کیسے قرآن کا فہم نصیب کرتا ہے۔ پھر آپ کو قرآن پڑھنے میں ایسا مزہ آئے گا کہ جسے اللہ تعالیٰ سے باتیں کر رہے ہوں۔ صوفیا تو اس کے بارے میں کہتے ہیں:

در سنحن محفی منم چو بوئے گل در برگ گل

ھر کہ دیدن میل دارد، درسخن بیند مرا

ترجمہ: میں اپنی تحریر میں ایسے پوشیدہ ہوں جیسے پھول کی خوشبو پھول کی پنکھڑی میں۔ جو

میری دید کا خواہاں ہو وہ مجھے میری تحریر (قرآن پاک) میں دیکھے۔

قرآن تو اللہ تعالیٰ کا محبت بھرا کلام ہے۔ ہمارے حضرت مولانا اشرف صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن میں جب یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْ آتا ہے تو یہ اس طرح ہے کہ جیسے باپ بچوں سے کہتا ہو: "اے زمہ بچو" (اے میرے بچو!) اور اس کے بعد جو بات ہوتی ہے وہ بہت اہم بات ہوتی ہے۔ تو قرآن میں تو اللہ تعالیٰ کی محبت بھری باتیں ہیں، دلچسپ واقعات ہیں اور عجیب وغریب انکشافات ہیں۔

حضرت جبیر بن مطعمؓ ایک صحابی ہیں۔ جنگ بدر کے بعد مسلمان ہوئے۔ جنگ بدر میں جو کفار قید ہوئے تھے ان کے بارے میں مذاکرات کے لئے نبی کریم ﷺ کے پاس آئے۔ فرماتے ہیں کہ میں ایسے وقت میں آیا کہ آپ ﷺ مغرب کی نماز پڑھا رہے تھے اور نماز میں سورۃ طور کی تلاوت فرما رہے تھے۔ تو جب آپ ﷺ نے تلاوت شروع کی وَالطُّوْرِ وَ کِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ اور اس طرح پانچ قسمیں کھائیں اور پھر جب پڑھا کہ اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ کہ آپ کے رب کا عذاب تو آ گیا۔ تو وہ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ نے یہ آیت پڑھی تو مجھے ایسا لگا کہ آسمان مجھ پر گر جائے گا اور میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ میں بے ہوش ہونے کے قریب ہو گیا۔ قرآن پاک تو ایسا دلوں کو دہلا دینے والا ہے۔ وقت کم ہے میں اپنی تقریر اس شعر پر ختم کرتا ہوں۔

حیف کہ تاثیر اس کی تیرے دل پر کچھ نہ ہو
کوہ جس سے خاشعاً متصدعاً ہونے کو ہے

ترجمہ: یعنی افسوس اگر تیرے دل پر قرآن کا اثر نہ ہوا حالانکہ اگر اسے پہاڑوں پر اتارا گیا ہوتا تو وہ اس کے خوف سے ریزہ ریزہ ہو جاتے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن کی محبت اور اس پر عمل نصیب کریں۔ آمین۔

☆☆☆☆☆

ملفوظاتِ شیخ ۔ ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہ (قسط ۸۰)

(ظہور الٰہی فاروقی صاحب)

اھل اللہ کی صحبت کے اثرات:

فرمایا کہ ہمارے ساتھی کہا کرتے ہیں کہ تو کالج میں آیا لیکن اس باطل ماحول سے متاثر نہ ہوا، اس کی کیا وجہ ہے؟ تو اس کی وجہ بنیادی طور پر وہ مجلسیں ہیں جو مجھے کالج آنے سے پہلے نصیب ہوئیں۔ ہمارے والد صاحب، ہماری مسجد کے خطیب صاحب، میرے سکول کے اساتذہ، جن میں سے دو کامل نقشبندیہ مشائخ تھے، ان کے علاوہ حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جو بیٹھنا ہوا ہے تو اس آدمی کے اندر کفر اور باطل کو توڑنے کے لئے اپنی جان کو ٹکڑے ٹکڑے کر لینے کا جذبہ ہوتا تھا۔ تو اس نے ایک ایسی سوچ دی ہے کہ ہم انگریز کی برتری سے کبھی متاثر نہیں ہوئے کہ کسی چیز میں اس کی برتری کو ہم تسلیم کر لیں۔ واقعی ناموسِ رسالت کے اس مسئلے سے پہلے جو ایک واقعہ ہوا تھا جس کے نتیجے میں سارے پاکستان میں تحریک اٹھی تھی رسالت کے معاملے میں۔ اس میں باہر سے آئے ہوئے کسی انگریز نے جلوس کو دیکھا تو جلوس کے جوش و خروش کو دیکھ کر کہا کہ اگر ہم نے سیاسی ہتھکنڈوں سے قبضہ نہ کیا تو یہ ہمیں کھا جائیں گے۔ مولانا ہزارویؒ کا جذبہ باطل کو توڑنے کا اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا جو قول ہے عربی میں فک کل نظام کہ سارے نظاموں کو توڑ کر دھڑام سے گرا دو۔ یہ جذبہ تھا اس آدمی کا اور دوسرے ختم نبوت کے عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھنا تو ہمیں نصیب نہ ہوا، ان کے خلیفہ قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ایک لاکھ آدمی جو ہم نے جمع کئے تھے شاہی باغ میں ۱۹۷۴ء کی تحریکِ ختمِ نبوت کے سلسلے میں، اس کی صدارت ہمارے حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید کر رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ ڈاکٹر صاحب بڑے نعرے لوگ لگا رہے تھے لیکن جس وقت ''تاج و تختِ ختمِ نبوت'' کا نعرہ بلند

ہوتا تو اس کا ہم پر بہت اثر آتا تھا۔ میں نے کہا برخوردار یہ ہمارے سلسلے کا نعرہ ہے جو عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ تقریر میں لگایا کرتے تھے۔ جب وہ کہتے ''تاج وتختِ ختم نبوت'' تو پھر آگے بیٹھے مجمع کو پتا نہیں چلتا تھا کہ گولی آرہی ہے یا کچھ اور۔ دراصل آپ لوگوں کے اعصاب میں وہ چیز داخل ہے جس وجہ سے اس نعرے سے متأثر ہو رہے تھے۔

دنیا کے سب مقاصد فانی ھیں:

اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِيْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (الحدید:۲۰)

ترجمہ: تم خوب جان لو کہ (آخرت کے مقابلہ میں) دنیوی حیات (ہرگز قابلِ اشتغال چیز نہیں کیونکہ) محض لہو ولعب اور (ایک ظاہری) زینت باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا (قوت وجمال اور دنیوی ہنر وکمال میں) اور اموال اور اولاد میں ایک کا دوسرے سے اپنے کو زیادہ بتلانا ہے (یعنی مقاصد دُنیا کے یہ ہیں کہ بچپن میں لہو ولعب کا غلبہ رہتا ہے اور جوانی میں زینت وتفاخر کا اور بڑھاپے میں مال ودولت آل واولاد کو گنوانا اور یہ سب مقاصد فانی اور خواب وخیالِ محض ہیں جس کی مثال ایسی ہے) جیسے مینہہ یعنی بارش (برستی) ہے کہ اس کی پیداوار (کھیتی) کاشتکاروں کا اچھی معلوم ہوتی ہے پھر وہ (کھیتی) خشک ہو جاتی ہے سو اس کو زرد دیکھتا ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے (اسی طرح دنیا چند روزہ بہار ہے پھر زوال واضمحلال، یہ تو دنیا کی حالت ہوئی) اور آخرت (کی کیفیت یہ ہے کہ اس) میں (دو چیزیں ہیں ایک تو کفار کے لئے) عذابِ شدید ہے اور (دوسری اہلِ ایمان کے لئے) خدا کی طرف سے مغفرت اور رضامندی ہے (اور یہ دونوں باقی ہیں، پس آخرت تو باقی ہے) اور دنیوی زندگانی محض دھوکہ کا اسباب ہے۔ (معارف القرآن)

حضرت والا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ نے فضائل اعمال میں

اس آیت کے بعد لکھا ہے کہ بچہ جب چھوٹا ہوتا ہے تو اس کا جذبہ کھیل تماشے کا ہوتا ہے۔ بڑے معزز آدمی کا بچہ ہے، کپڑے گندے میلے کچیلے، دیکھنے کا نہیں ہے، بدن میلا کچیلا لیکن وہ کہتا ہے کہ مجھے کھیل کے میدان سے اور کھیل سے ماں باپ نہ نکالیں۔ ایسا کھیل کا جذبہ ہے کہ اس پر سب قربان کئے ہوئے اسی کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ سمجھدار ماں باپ کو پتا ہے کہ اس عمر میں کھیل کو تو تھوڑا بہت یعنی ایک گھنٹہ دینا ہے لیکن باقی وقت اس کا اگر تعمیری کاموں میں نہ لگایا تو یہ کسی کام کا نہیں رہے ہوگا۔ اس لئے باوجود اس کی چاہت، خواہش اور طلب کے اس کو وہاں سے نکالتے ہیں، کوشش سے، ڈرا دھمکا کر، مار پٹائی کر کے، لالچ دے کر، کسی نہ کسی طریقے سے اسے نکالتے ہیں اس حال سے کیونکہ ان کو پتا ہے کہ اس حال کا اس وقت مزہ بہت ہے لیکن مستقبل میں اس کا مفاد نہیں ہے۔ پھر ہے زِینَۃٌ جب بالغ ونو عمر ہوتا ہے تو زینت اس کا جذبہ بنتا ہے کہ بال ہوں تو اس سٹائل کے۔ گھر میں بچوں نے جھگڑا ڈالا ہوا ہوتا ہے کہ اتنے پیسے دو فلاں (نام نہیں لیتا کہ فضول جگہ کی شہرت کیوں ہو) جگہ جا کر بال ترشواؤں گا کیونکہ وہ آدمی کی شکل کے مطابق ہیئر کٹ کرتا ہے۔ پھر نہانا دھونا اور کیا کیا اپنے اوپر ملنا۔ بطور ڈاکٹر آپ کو کہتا ہوں کہ جتنے شیمپو اور چیزیں آپ بازار سے خرید کر لاتے ہیں ساری مضرِ صحت ہیں اور میڈیکل کتابوں کے حوالے کے ساتھ بتا سکتا ہوں۔ تو ان کو رگڑتا ہے اور اپنے آپ کو چمکاتا ہے۔ ہمارے میڈیکل کالج میں تو بڑا مقابلہ ہوتا ہے کیونکہ مخلوط تعلیم ہے۔ جو لڑکا بہت بناؤ سنگھار کر کے آیا کرتا ہے تو اسے میں کہا کرتا ہوں کہ اِدھر آؤ بات سنو۔ عورت نما مرد لڑکی کو پسند نہیں آیا کرتا، یہ اس کی نفسیات ہے کہ جو اس کی اپنی طرح کا ہو عورت کی طرح نظر آ رہا ہو وہ اس کو پسند نہیں آیا کرتا۔ تو اسے بڑا شوق ہوتا ہے کہ ہم تو اس کے پیچھے پڑے ہیں کہ کسی کو پسند آئیں، اب یہ ہمیں راز بتائے تو میں کہا کرتا ہوں کہ رَف اینڈ ٹف (کھـڑ پـڑ) جس کے اندر مردانگی ہو وہ پسند آتا ہے عورت کو۔ تو یہ زینت کا دور آتا ہے۔ باپ کہتا ہے گائے دوہنی ہے میرے آج ہاتھ میں درد ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جاؤ اپنا کام کرو اور دودھ پینے کے لئے تو تیار بیٹھا ہوتا ہے۔ اب اس کو یہ نہیں پتا کہ جب گائے کا گوبر والد

صاحب کے کپڑوں پر لگتا ہے اور اس کی بدبو پھیلتی ہے گھر میں تب کوئی روزی کا وسیلہ بنتا ہے اور کچھ ملتا ہے۔ جب دوکان پہ جا کر بیٹھتا ہے سارا دن کمر کے درد کے ساتھ تو تب شام کو کچھ ساتھ لاتا ہے، پر اس کو کچھ پتا نہیں ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ مونچھوں کا ایک بال اوپر سے زیادہ ہو گیا ہے، اس کو کیسے برابر کرنا ہے۔ اور بال کٹا کر آتا ہے تو پھر شہر جاتا ہے اس کے پاس کہ مجھے دیکھو یہ نیچے سے ایک انگلی کے برابر بال لٹک نہیں رہے ہیں ساری شخصیت اور پرسنیلٹی میری خراب کر دی۔ یہ تو Personality کے پیچھے پھر رہا ہوتا ہے دوسرا کرسی پر بیٹھ کر پڑھ رہا ہوتا ہے۔ کل کو وہ پڑھ لکھ کر آگے نکل گیا۔ اب یہ کسی لڑکی کے ہاں رشتہ مانگنے گیا تو اس کو کوئی گھاس ہی نہیں ڈالتا۔ تمھاری زلفوں کی اِدھر کوئی قیمت نہیں ہے۔ اب تو یہاں جھگڑا مال و دولت کا ہے، ہنر اور قابلیت (Qualification) کا ہے۔

جب آدمی تقویٰ و پرہیز گاری اختیار کرتا ہے تو اللّٰہ تبارک و تعالیٰ عمل کا فہم نصیب فرماتا ہے، جس کو ضمیر یا دل روشن ہونا کہتے ہیں:

فرمایا کہ ترجیحات سیکھنی ہوتی ہیں، ترجیحات کا سیکھنا ہی تو اصل دین ہے۔ اور ہمارے تصوف کے سلاسل میں فہمِ دین ہے۔ اللہ تعالیٰ تقویٰ اختیار کرنے سے فہمِ دین نصیب فرماتا ہے۔ مَنْ عَمِلَ بِما عَلِمَ وَرَثَہ اللّٰہ عَلَّمَ مَا لَمْ یَعْلَم (یعنی) آدمی نے اس علم پر عمل کیا جو وہ جانتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ علم سکھاتا ہے جو وہ نہیں جانتا ہے۔ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ جب پشاور آئے تو یہاں بڑے بڑے حیثیت والے علماء تھے۔ پشاور بہت قدیمی زمانے کا شہر ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے سے آباد شہر ہے۔ اس کے غالباً تین، ساڑھے تین ہزار سال ہو گئے ہیں۔ ان علماء نے سید صاحبؒ سے کہا کہ ہم مناظرہ کریں گے، کسی حلال حرام کے مسئلے پر۔ انھوں نے شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ سے مناظرہ کیا۔

شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا اتنا بلند پایا علم ہے اور اتنی بلند علمی حیثیت ہے کہ ہر فن کے امام ہیں لیکن علمائے پشاور مطمئن نہ ہوئے۔ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ عالم نہیں تھے، ان سے عرض کیا تو

انھوں نے کہا ہمارے پاس بلائیں۔ انھوں نے اپنی سادہ دیہاتی کھیل کود کی باتیں اور ہل بیل کی دو چار مثالیں بیان کر کے اور انہی مثالوں سے مسئلے کا استنباط کر کے جوان کے سامنے رکھا تو علماء لا جواب ہو گئے۔ انھوں نے کہا کہ واقعی یہ وہ علمِ لدنی اور باطنی علم اور فہم ہے جو اللہ نے ان کو اپنے تعلق کی وجہ سے دیا ہے۔ جب آدمی تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ عمل کا فہم نصیب فرماتا ہے جس کو ضمیر یا دل روشن ہونا کہتے ہیں۔

حضرت عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات ان کے مرید عبداللہ سماسی صاحبؒ نے کتاب ''ابریز'' میں لکھے ہیں۔ کہتے ہیں مرید تو میں اس واقعہ پر ہوا کہ میں ایک جگہ تقریر کر رہا تھا، تقریر کے دوران میں نے ایک عربی عبارت پڑھی میں نے کہا یہ حدیث ہے، بعد میں ایک سادہ سا آدمی اٹھا اور کہا کہ آپ کی تقریر ہوئی ماشاءاللہ! آپ نے فلاں بات جو کہی کہ یہ حدیث ہے تو وہ حدیث نہیں ہے۔ میں نے کہا حدیث ہی ہے، انھوں نے کہا نہیں وہ حدیث نہیں ہے۔ خیر میں چلا آیا اور اپنے حدیث کے مجموعے اور ساری کتابیں دیکھیں اور تحقیقات کرتا رہا۔ کئی دن لگے اور اتنے دنوں کے بعد مجھے پتہ چلا کہ وہ حدیث نہیں ہے۔ تو مولوی جب اپنے سے اوپر مولوی کو دیکھتا ہے تو متأثر ہوتا ہے۔ کہتے ہیں میں نے سوچا کہ ان مولوی صاحب کو ڈھونڈنا چاہیے کہ کون تھے۔ خیر انھیں ڈھونڈا اور پوچھا کہ آپ کیسے کہہ رہے تھے کہ وہ حدیث نہیں ہے، آپ نے کہاں سے مطالعہ کیا ہوا تھا یا آپ کی کیا معلومات تھیں؟ انھوں نے فرمایا برخوردار! وہ معلومات نہیں تھیں بلکہ جب انسان آیت پڑھتا ہے تو منہ سے ایک قسم کا نور نکلتا ہے جس سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ یہ آیت ہے، حدیث پڑھتا ہے تو دوسری قسم کا نور نکلتا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث ہے، جب یہ دونوں نور نہ ہوں تو ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ نہ یہ آیت ہے اور نہ ہی حدیث ہے۔ تو جب آپ نے یہ عبارت پڑھی تو اس سے نورِ حدیث نہیں نکل رہا تھا تو اس بنیاد پر میں نے کہا تھا۔ کہتے ہیں کہ بڑی حیرت ہوئی اور میں ان کے پیچھے پڑ گیا کہ میں آپ سے بیعت ہونا چاہتا ہوں پر وہ انکار کرتے رہے۔ بڑی منت سماجت کی،

بالآخر جب انھوں نے دیکھا کہ طلب اس کی صادق ہے اور یہ اپنے علمی زعم اور کبر میں نہیں ہے تو بیعت کیا۔ فرماتے ہیں کہ وہ فقہی مسائل جن میں بڑی بڑی مشکلات پیش آتی تھیں اور وہ آیتیں جن کی تشریح وتفسیر اور وہ حدیثیں جن کی تشریح وتفسیر ہم مدارس میں نہ سیکھ سکے تھے اور ابھی تک ان میں اُلجھے ہوئے تھے جب ان سے پوچھتا تو سادہ دو باتوں میں جواب دے دیتے تھے۔ اور کہتے ہیں کہ جب میں تحقیقات کرتا تھا تو پھر پتا چلتا تھا کہ گہرا حنفی مسلک وہ ہوتا تھا جو انھوں نے بیان کیا ہوتا تھا۔ کہتے ہیں کہ پھر ہمیں اندازہ ہوا کہ انھیں فہمِ دین ہے، ہمارے پاس علمِ دین ہے جبکہ ان کو اللہ نے فہمِ دین نصیب فرمایا ہوا ہے، بوجہ تقویٰ و پرہیز گاری کے اور بوجہ تعلق مع اللہ کے۔

ذکر بدعت اور غیر مسنون نہیں بلکہ عین سنت ہے:

فرمایا کہ اکیلے میں ذکر کرنا حدیث سے ثابت ہے، مجلس میں ذکر کرنا ثابت ہے۔ خود حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ذکر کروایا ہوا ہے لہٰذا یہ بدعت اور غیر مسنون نہیں بلکہ عین سنت ہے۔ اکیلے میں زور زور سے ذکر کرنا سنت ہے جس کے بارے میں حضرت عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اور مجلس کا اکٹھے ہو کر ذکر کرنے کے بارے میں مسندِ احمد کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے دروازے بند کرا کے پوچھا: کوئی اجنبی تو نہیں، بتا گیا کہ نہیں ہے، فرمایا: دروازے بند کر دو پھر سب سے کہا ہاتھ کھڑا کر کے لا الٰہ الا اللّٰہ کہو۔ سب تھوڑی دیر لا الٰہ الا اللّٰہ کا ذکر کرتے رہے۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا آپ سب کو مبارک ہو آپ کی مغفرت ہوگئی۔ تو یہ آپ ﷺ کی مجلسِ ذکر تھی۔

چـه د دیـن گـټـه بدلـه پـه دنیـا کـی
رحـمـان دومره بے وقوف سوداگر نه دے

جو نفع اپنے دین کا دنیا سے بدل دے رحمان ایسا ناسمجھ تاجر کبھی نہیں

(رحمان باباؒ۔ منظوم ترجمہ حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہٗ)

عقیدہ اہل سنت و الجماعت

(جناب گوہر رحمان نقشبندی فریدی صاحب ''فقیر باباجی'' ایڈووکیٹ)

خطبۂ ماثورہ۔اما بعد.قال اللّٰہ تبارک و تعالیٰ فی القرآن المجید والفرقان الحمید.

یَوۡمَ تَبۡیَضُّ وُجُوۡہٌ وَّ تَسۡوَدُّ وُجُوۡہٌ (آل عمران:۱۰۶)

وقال النبیﷺ لیاتین علیٰ امتی کما اتیٰ علیٰ بنی اسرائیل ھزو النعل با لنعل حتیٰ ان کان منھم من اتٰی امہٗ علانیۃ لکان فی امتی من یصنع ذٰلک وان بنی اسرائیل تفرقت علیٰ ثنتین و سبعین ملۃ و تفترق امتی علی ثلاث و سبعین ملۃ.کلھم فی النار الا ملۃ واحدۃ. قالوا من ھی یا رسول اللّٰہﷺ؟ قال ما انا علیہ و اصحابی او کما قال.

(ترمذی حدیث2641 باب ما جاء فی افتراق ھٰذہ الامۃ)

تفسیر الدر المنثور میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ قیامت کے دن بعض لوگوں کے چہرے سفید ہونگے اور بعض کے سیاہ ہونگے تو صحابہ کرامؓ نے پوچھا: یا رسول اللّٰہ! یوم تبیض وجوہ؟ وہ کون لوگ ہیں جن کے چہرے سفید ہونگے؟ فرمایا:اھل السنۃ والجماعۃ. پھر پوچھا یارسول اللہ! (ﷺ) وہ کون لوگ ہونگے جن کے چہرے سیاہ ہونگے؟ فرمایا اھل البدعۃ والضلالۃ. چہرے سیاہ ہونگے اہل بدعت اور ضلالت کے۔

حضرت لا لکائی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے السنۃ میں سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت نقل کی ہے کہ اہل سنت والجماعت کے چہرے روشن ہونگے، بدعتی اور گمراہ لوگوں کے (کفر و نفاق اور فسق و فجور سے) چہرے کالے سیاہ ہونگے۔حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کو پڑھا،فرمایا اہل جماعت اور اہل سنت کے چہرے روشن ہونگے اور اہل بدعت اور اہل ہویٰ کے چہرے سیاہ ہونگے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہل سنت والجماعت سے متعلق روایت کرتے ہیں۔

عن ابن عمرؓ عن النبیﷺ فی قولہٖ تعالیٰ یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْہ قال تَبْیَضُّ وُجُوْہ اھل السُّنَّۃِ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْہ اَھْلِ البِدعَۃ. (درمنثور: ج۲ ص ۶۳، تحت رقم الآیت:۱۰۶)

(حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جناب نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ قیامت کے روز اہل سنت کے چہرے چمکتے ہونگے اور اہل بدعت کے کالے سیاہ)

اس آیت کی تفسیر جو نبی کریم ﷺ نے خود فرمائی ہے اس کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت ہی وہ مذہب ہے جو برحق ہے۔ اس کے علاوہ جو مسلک مذہب اور فرقے ہیں، وہ بالکل غلط ہیں اور ان سے بچنا بہت ضروری ہے۔ امام ابو منصور البغدادیؒ اہل سنت والجماعت کو ہی صحابہ کرامؓ کا حقیقی پیروکار سمجھتے ہوئے فرماتے ہیں:

ولسنا نجد الیوم من فرق الامۃ من ھم علیٰ موافقۃ الصحابۃ رضی اللّٰہ عنھم غیر اھل السنۃ والجماعۃ من فقھاء الامۃ.

(الفَرق بین الفِرق: الفصل الثانی من فصول ھٰذ الباب فی بیان تحقیق النجاۃ لاھل السنۃ والجماعۃ)

(امت کی موجودہ اختلافی حالت میں ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے موافق اہل سنت و الجماعت فقہاء امت کے سوا کسی اور کو نہیں پاتے)

امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے بیٹے جناب حمادؒ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: یا بنی ان تتمسک مذھب اھل السنۃ والجماعۃ و تتجنب عن اھل الجھالۃ وذوی الضلالۃ. (وصایا امام اعظم مترجم اردو: ص ۶۲ مطبوعہ کراچی)

(اے میرے بیٹے! اہل سنت والجماعت کے مذہب کو مضبوطی سے پکڑنا اور جہالت والوں اور گمراہوں سے دور رہنا) اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اپنے محبوب ﷺ کی خدمت اقدس میں بھیجا اور فرمایا:

لیس علیٰ من مات علی السنۃ والجماعۃ عذاب القبر ولا شدۃ یوم القیٰمۃ. (جامع الاخبار:۱۲۶)

(جس شخص کو اہل سنت والجماعت کے مذہب پر کاربند رہتے ہوئے موت آئے گی، اسے نہ تو قبر کا

عذاب ہوگا اور نہ ہی اس کے لئے قیامت میں سختی ہوگی)

مذکورہ بالا حدیث پاک جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت پر وہ حالات آئیں گے جو حالات بنی اسرائیل پر آئے تھے۔ھزوۃ النعل بالنعل یہ میری امت ان کے نقش قدم پر چلے گی۔ ھزوۃ النعل بالنعل کا مطلب ہے کہ جس نے قدم رکھ کر اٹھایا دوسرے نے اس کے نقش پا پر اپنا قدم رکھ دیا۔اور فرمایا میری امت پر ایسے حالات ہوجائینگے کہ اگر ان میں سے کوئی شخص حتیٰ من کان منھم لیاتینی اگر بنی اسرائیل میں سے کوئی شخص گندہ اور بدبخت ایسا ہے جس نے اپنی ماں سے منہ کالا کیا ہے تو میری امت میں سے بھی ایسے لوگ آئیں گے جو اپنی ماں کے ساتھ العیاذ باللّٰہ زنا کا مرتکب ہوں گے۔پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:ان بنی اسرائیل تفرّق .... بنی اسرائیل کی امت میں بہتّر (۷۲) فرقے تھے اور میری امت میں تہتّر (۷۳) فرقے بنیں گے۔کلھم فی النار الا ملۃ واحدۃ. یہ سب جہنم میں جائیں گے ماسوائے ایک فرقہ کے۔صحابہ کرامؓ نے پوچھا: یا رسول اللّٰہ! (ﷺ) من ھو؟ وہ جنت میں جانے والا کون ہوگا؟ فرمایا:ما انا علیہ و اصحابی فرمایا: جنت میں جانے والا گروہ وہ ہوگا جو میری سنت پر عمل کرے اور میری سنت پر عمل میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے پوچھ کر کرے۔اپنی طرف سے نہ کرے۔میری دین کی وہ تشریح لے اور وہ تشریح کرے جو میرے صحابہ کرامؓ نے کی ہے۔میری احادیث کا وہ مطلب لے اور بیان کرے جو میرے صحابہ کرامؓ نے بیان کیا ہے۔

یہ اہل سنت والجماعت دو کلمات پر مشتمل ہے۔اھل السنۃ اور والجماعۃ۔ان میں سے پہلا کلمہ ما انا علیہ یہ اھل السنۃ ہیں۔اور دوسرا کلمہ واصحابی یہ والجماعۃ ہے۔اور والجماعۃ سے مراد صحابہ کرام ﷺ کی جماعت۔اس سے پتہ چلا کہ صحیح مسلک وہ ہے جو اہل سنت والجماعت کا ہے۔اس کے علاوہ فرقہ بازی اور فرقہ واریت ہے جس سے بچنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔

نشانیاں: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے جب اہل السنّت والجماعت کی نشانیاں پوچھی گئیں تو انہوں نے فرمایا: سئل عن انس بن مالک رضی الہ علنہ عن علامات اھل السنۃ

والجماعة؟ فقال ان تحب الشيخين و لا تطعن الختنين و تمسح على الخفين.
(مرقاة شرح مشکوٰۃ باب مسح على الخفين تحت رقم الحديث: ۵۱۷)

کہ اہل سنت والجماعت وہ ہیں جو حضرات سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم سے محبت رکھیں، حضرات سیدنا حضرت عثمان ذوالنورین اور سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ پر طعن وتشنیع نہ کریں اور موزوں پر مسح کریں۔

صاحبِ تفسیر مظہری حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ رقم طراز ہیں:

والراسخون فی العلم ای الذين رسخوا ای ثبتو او تمكنوا فی العلم بحيث لا تعترضه شبهة وهم اهل السنة والجماعة۔ (تفسیر مظهری؛ آل عمران:۴۴)

یعنی اور جو لوگ علم میں پکے اور جمے ہوئے ہیں کہ ان کو کوئی شک وشبہ لاحق ہی نہیں ہوتا یہ لوگ اہل سنت والجماعت ہیں۔ یعنی جو علم میں یوں راسخ ہوئے کہ انہیں کوئی شبہ لاحق نہیں ہوسکتا، وہ اہل سنت والجماعت ہیں، جنھوں نے کتاب وسنت کو مظبوطی سے پکڑ رکھا ہے اور جنھوں نے قرآن کریم کی تفسیر میں سلف صالحین یعنی صحابہ کرامؓ اور تابعین رحمہم اللہ جو ضیاء امت ہیں کے اجماع کی پیروی کی۔

حضرت علامہ سخاوی رحمہ اللہ حضرت علی ابن حسین ابن علی رضی اللہ عنہم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

فی الامر بالصلاة علىٰ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم و فی ای وقت كان و كيفية ذٰلک على اختلاف انواعهٖ والامر بتحسين الصلاة عليه والترغيب فی حضور المجالس التی يصلی فيها عليه. وان علامة اهل السنة كثرة منها. (القول البديع محل الصلاة باب الاول)

(اہل سنت والجماعت کی نشانی یہ ہے کہ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف کثرت سے پڑھتے ہیں)

وجہ تسمیہ

ہمارا نام اہل سنت والجماعت کیوں ہے؟ بعض لوگ اپنے آپ کو اھل قرآن کہتے ہیں۔کوئی اپنے مذہب کا نام اھل حدیث رکھ لیتے ہیں۔تو بعض لوگ پوچھتے ہیں، کیا قرآن اور حدیث کو آپ

نہیں مانتے؟ ہم کہتے ہیں کیوں نہیں، ہم قرآن وحدیث کو بالکل مانتے ہیں۔اور جو قرآن اور حدیث دونوں یا صرف قرآن یا صرف حدیث کا منکر ہو، وہ تو بالاجماع کافر ہے۔تو پھر سوال کرتے ہیں کہ جب مانتے ہیں تو پھر اپنا نام اھل قرآن یا اھل حدیث کیوں نہیں رکھتے؟ اہل سنت والجماعت کیوں رکھتے ہیں؟ اب یہ بات سمجھنے کی ہے کہ ہم کیوں یہ نام رکھتے ہیں؟ ایک بات تو یہ کہ اہل سنت والجماعت وہ نام ہے جو حضور نبی کریم ﷺ کی لسان مبارکہ سے نکلا ہے۔اگر کوئی اپنے آپ کو اھل قرآن کہتا ہے تو یہ اس کا اپنا بنایا ہوا (self created) نام ہے، کسی حدیث مبارکہ کے الفاظ سے ثابت نہیں۔اسی طرح اگر کوئی فرقہ من حیث الفرقہ (in the capacity of a sectarian group) اپنے آپ کو اھل حدیث کہلاتا ہے تو یہ اس فرقہ کا اپنا انتخاب اور اپنا ودیعت کردہ نام ہے، نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں۔اگر کوئی کہے کہ پھر محدثین کو کیوں محدثین کہتے ہیں؟ یہ بھی تو کسی نص یا حدیث سے ثابت نہیں۔تو پہلی بات یہ ہے کہ محدثین کو ان حضرات کی انفرادی حیثیت (individual capacity) میں محدثین کہتے ہیں نہ کہ فرقہ (group) کی حیثیت میں۔دوسری بات یہ کہ محدثین کو اہل حدیث کہنا صرف عرفی نام ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص علم حدیث کا ماہر (Expert in Prophetic Traditions) ہے۔

اسی طرح مفسر قرآن یعنی علم القرآن کی تفسیر کا ماہر۔نہ تو یہ کوئی گروہ ہے نہ مسلک اور نہ ہی مذہب۔جیسا کہ مؤرخ یعنی فن تاریخ سازی میں ماہر، اہل شعور یا اہل الرائے وغیرہ۔تو یہ بالکل ایک الگ بات ہے اور اس کا کسی فرقہ یا گروہ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ علوم دینیہ میں ہر شخص کی انفرادی قابلیت ہے۔چنانچہ ماہر فی الحدیث النبی ﷺ کو محدث کہنا یا ماہر فی علوم القرآن کو مفسر قرآن کہنا ایک علیحدہ بات ہے لیکن کسی شخص کو کسی خاص فرقہ کے اتباع میں اہل حدیث کہنا جسے خود اس بات کا بھی علم نہ ہو کہ وہ اپنے آپ کو اہل حدیث کیوں کہتا ہے، یہ ایک علیحدہ بات ہے۔جو کہ کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ حدیث سے جو ثابت ہے وہ اہل سنت والجماعت ہے۔

فرقوں میں بٹنا ممنوع ہے

اللہ رب العلمین کا ارشاد فی القرآن عالیشان ہے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَ اُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ

ترجمہ: اور نہ ہو جانا ان لوگوں کی طرح جو فرقوں میں بٹ گئے تھے اور اختلاف کرنے لگے تھے اس کے بعد بھی جب آچکی ان کے پاس روشن نشانیاں۔(آل عمران:۱۰۵)

صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں اس سے مراد یہودی ہیں جو بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹ گئے تھے۔ اور بینات سے مراد واضح اور قطعی دلائل ہیں یعنی محکم آیات، احادیث متواترہ جو انبیاء کرام علیہم السلام سے محکم انداز میں مروی ہوں۔ اب اس صریح حکمِ قرآن کے باوجود اگر کوئی مسلمانوں میں فرقہ بازی کرتے ہیں تو یہ ان کی نفس پرستی پر ہی محمول کیا جا سکتا ہے اور کچھ نہیں۔

حیرتناک بات:

یہاں پر ایک حیرت کی بات بتا دوں کہ جو اپنے آپ کو من حیث الفرقہ اھل حدیث کہتے ہیں، وہ کیسے اہل حدیث ہیں؟ اس بارے میں مشہور اہلِ حدیث عالم مولانا ثناء اللہ امرتسری اپنی کتاب ''اہل حدیث کا مذہب'' میں لکھتے ہیں۔

''اہل حدیث کیوں اہل حدیث ہیں؟ اہل حدیث لقب چونکہ پسندیدہ ہے۔''

اسی کتاب میں موصوف مزید رقمطراز ہیں:

''....بلکہ (مقلدین) سر دست حدیث رسول اللہ ﷺ کو بایں تاویل چھوڑ دینگے کہ اللہ جانے یہ حدیث کیسی ہے صحیح ہے یا غیر صحیح؟ پھر اگر صحیح ہے تو منسوخ ہے یا غیر منسوخ وغیرہ۔ ذٰلک من عذرات البارده، مگر ''اھلحدیث'' کو ان باتوں کا خیال تک بھی نہیں آئیگا۔ پس وہ یہی بناء ہے جس کی وجہ سے اہل حدیث تو اہل حدیث کہلانے کے مستحق ہیں لیکن مقلدین نہیں ہیں۔'' (یعنی مقلدین اہلِ حدیث نہیں ہیں) (اہل حدیث کا مذہب جدید ایڈیشن ص:۹۷۔۹۸)

میرے ناقص علم کے مطابق یہ معلوم نہیں کہ کس نے یہ لقب (اہل حدیث) اور کس کے لئے پسند کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے؟ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یا کسی بھی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے؟ اس کے متعلق صاحبِ کتابِ مذکور نے کچھ بھی ارشاد نہیں فرمایا۔ جبکہ ''اہل سنت والجماعت'' حدیث مذکورہ بالا سے ثابت ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ اہل حدیث (جیسا کہ درج بالا اقتباس سے عیاں ہے) ناسخ ومنسوخ جو کہ نہایت اہم اور مستحکم اصول حدیث میں سے ہے، کو کوئی اہمیت اور فوقیت نہیں دیتے۔ نہ صرف علم الحدیث سے متعلق بلکہ قرآن کریم میں بھی ایسے احکامات ہیں جو مسنوخ التلاوۃ تو نہیں لیکن منسوخ الحکم ہیں۔

اہل حدیث کا جو معنی بنتا ہے وہ یہ ہے کہ حدیث پر عمل کرنے والا۔ تو جب لسانِ مبارکہ فخر کائنات ﷺ سے اہل سنت والجماعت کے الفاظ ثابت ہیں تو بجائے اھل قرآن یا اھل حدیث نام کے اس حدیث مبارکہ پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ اس خوبصورت نام کو کیوں نہیں مانتے؟ ہم تو حضور نبی کریم ﷺ کی حدیث کو بھی مانتے ہیں اور آپ ﷺ کے عطا کئے گئے نام کو بھی مانتے ہیں، نیز اس پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا شکر بھی ادا کرتے ہیں۔ الحمدللہ ہم ہیں ''اہل سنت والجماعت''۔

ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ میں آپ کی وراثت میں سے کیا پاؤں گا؟ فرمایا: ما ورثت الانبیاء من قبلی۔ جو کچھ مجھ سے پہلے انبیاء اپنی وراثت میں دیتے رہے وہی تم بھی پاؤ گے۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا: ماورثت الانبیاء من قبلک؟ آپ ﷺ سے پہلے انبیاء اپنی سنت میں کیا چھوڑتے رہے؟ اس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کتاب ربھم و سنۃ نبیھم۔ ان کے پروردگار کی کتاب اور ان کے نبی کی سنت۔

وضاحت

یہاں اس بات کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ خلفائے راشدین اہل سنت والجماعت تھے۔ حضرت علیؓ نے ایک مرتبہ خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے اہل سنت کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

اما اهل السنة فالمتمسكون بما سنة الله لهم و رسولهٖ... واما الجماعة فانا ومن اتبعنی.

اہل سنت وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے صحیح طریقہ پر چلنے والے ہوں گے اور والجماعت سے وہ لوگ مراد ہیں جو میرے نقش قدم پر چلنے والے ہوں گے۔

فرقہ ناجیہ کون؟

اس بات میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے واضح کیا کہ اہل سنت والجماعت فرقہ ناجیہ ہے۔ حضرت علیؓ کی یہ وصیت بھی دیکھئے جس میں آپؓ نے توحید کے ساتھ سنت کا دامن تھامنے کی تاکید فرمائی ہے :

وصیتی لکم ان لا تشرکوا باللّٰه شیئا و محمد فلا تضیعوا سنتهٖ اقیموا هٰذین العمودین و اوقدوا هٰذین المباحین وخلاکم ذم. (البلاغة ص:۲۶۸ وصية:۲۳)

تمہیں میری وصیت ہے کہ کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرانا اور محمد ﷺ کی سنت کو ضائع اور برباد نہ کرنا، ان دونوں ستونوں کو قائم کئے رہنا اور ان دونوں چراغوں کو روشن رکھنا بس برائیوں نے تمہارا پیچھا چھوڑ دیا۔

ایک دفعہ فرمایا: واستنوا بالسنة؛ فانها اهدی السنن۔ (نهج البلاغة:ص ۳۱۶،خ۱۰۸)

اور فرمایا: تم لوگ نبی کی سنت پر چلو کہ وہ تمام طریقوں سے بڑھ کر ہدایت کرنے والی ہے۔ (حضرت علیؓ ج:۲)

سرمایۂ ملت کے عظیم نگہبان حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۰۳۴ھ) نے فرمایا: ''منعم حقیقی کا شکر ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اہل سنت والجماعت کی آراء کے مطابق عقائد کو درست کیا جائے اس کے بعد اس عالی قدر جماعت کے مجتہدین کی تحقیقات کے مطابق شرعی احکام پر عمل کرے۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو اپنی رحمت خاص میں داخل فرمائے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت بڑی اور اس میں ہمیشہ رہنا ایک مستقل نعمت ہے اور ہم سب کو قرآن وسنت پر باعمل و ثابت قدم رکھے اور جملہ مسلمانان عالم کو ہدایت کامل نصیب فرما کر امت مسلمہ کو متحد اور متفق کر کے فرقہ واریت کے شر کے ساتھ ساتھ قادیانیت، پرویزیت اور غامدیت کے فتنوں اور شرور سے بھی محفوظ و مامون فرما دے۔

ایک ہی سانس میں

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

ہمارے ایک پرانے دوست، ریٹائرڈ پروفیسر اور تبلیغی جماعت کے کارکن کی وفات ہوگئی۔ بندہ حیات آباد ان کی تعزیت کے لئے گیا۔ خاندان کے افراد جمع تھے۔ ان میں سے ایک بہت بڑی حیثیت کے ریٹائرڈ افسر تھے۔ ان افسر صاحب نے زندگی رائیونڈ میں وقف کر رکھی ہے۔ بندہ کے واقف تھے، انھوں نے پہنچتے ہی مجھے آڑے ہاتھوں لیا۔ تعزیت کا کوئی کلمہ بولنے کو نہیں چھوڑا اور خوب زوردار دعوت دے کر بندہ کو تبلیغی کام سمجھانے لگے۔ ایک ہی سانس میں بغیر وقفے کے (non-stop) بولے جا رہے تھے۔ صاحب کو یہ بھی پتا تھا کہ میں نے چار مہینے لگائے ہوئے ہیں اور اندرون ملک اور بیرون ملک سفر کئے ہوئے ہیں۔ پھر کہنے لگے: ''تم نے پیری مریدی شروع کی ہوئی ہے، بس ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں بیٹھ کر کچھ بول لیتے ہوگے، اس کے بعد شکرانے جمع کر لیتے ہوگے، جبکہ دین کا کام بیٹھ کر نہیں ہوسکتا۔ اس کے لئے متحرک ہونے کی ضرورت ہے۔''

بندہ نے سوچا کہ ان صاحب ہی کی طرح اگر میں بھی ایسی ہی تنقید، تنقیص، تقابل اور تردید والا بیان دوں تو پھر میری طرح اہلِ تصوف اور ان کی طرح امیر صاحب میں کیا فرق رہ جائے گا۔ بندہ نے عرض کیا: ''آپ کی بات بالکل درست ہے۔ واقعی صرف بیٹھ کر کام نہیں ہوسکتا مثلاً میں عرض کروں کہ جنوبی افریقہ میں میرے سلسلے کی شاخ ہے، اس کی خاطر مجھے چار دفعہ جنوبی افریقہ کا سفر کرنا پڑا ہے۔'' ان سے فارغ ہوکر بندہ غور و فکر میں مبتلا ہوا کہ تبلیغی تحریک حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک ہے جو بہت قابل فارغ التحصیل عالم تھے، بہت کامل اہلِ تصوف تھے اور بہت محنت اور لگن سے کام کرنے والے داعی تھے۔ یہ کام بھی الہامی ہے اور اس کے اصول بھی الہامی۔ حضرت مولانا الیاسؒ کے اصولوں میں اہلِ تصوف، جو تصوف کا خانقاہی نظام چلا رہے ہوں ان سے ملنے کے لئے پوری ترتیب ہے۔

۱) ان سے ملنے کے اوقات معلوم کئے جائیں، تاکہ ایسے وقت میں نہ جاد ھمکیں جو ان کے لئے سہولت کا نہ ہو۔

۲) ان کی زیارت کی نیت کر کے جائیں۔

۳) ان کی نصیحت کی باتوں کو سننے کی نیت سے جائیں تاکہ ان پر عمل نصیب ہو۔

۴) ان سے دعا لینے کی نیت سے جائیں۔

۵) ان کی خدمت کا کوئی کام پتا چل جائے تو اس کام کو فوری طور پر کرنے کی نیت سے جائیں۔

٦) ان کو بالکل دعوت نہ دیں۔

۷) دل میں بھی یہ بات نہ لائیں کہ ہم کام کر رہے ہیں اور یہ ایسے ہی بیٹھے ہوئے ہیں، کیونکہ بعض حضرات اہلِ کشف ہوتے ہیں اور ان کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔

ان سارے اصولوں کے ہوتے ہوئے اتنی بڑی تبدیلی رونما ہو جانا کہ ایک اتنا سینئر اور اتنا قابل افسر، جس کی زندگی وقف ہو، ایسے منہ پر ایک اہلِ تصوف کو طعنہ دے کہ تم شکرانے جمع کرتے ہو، حیرت انگیز تھا۔ اتنی بڑی تبدیلی کون لایا ہے؟ اور تربیت میں اتنا بڑا فرق کیسے آ گیا کہ اتنا سینئر اور ٹرینڈ بندہ، جس کی زندگی وقف ہو، وہ اس طریقے سے دعوت دے۔ اپنے لحاظ سے اگرچہ بندہ لاشے ہے اور اپنی تصوف کی کوئی حیثیت سوچنا گویا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے لیکن اصولوں کے لحاظ سے تصوف کا نام لگا ہونے کی وجہ سے ایک نام نہاد صوفی ہوں۔

دہلی میں بستی نظام الدین کے قریب ہی ایک چرس بھنگ والے پیر کا دربار تھا جس کے کئی چیلے تھے۔ حضرت نے اپنے کارکنوں کو ہدایت کر رکھی تھی کہ ان کے پاس سے گزرتے ہوئے یا ان سے آمنا سامنا ہوتے ہوئے ان کو ضرور سلام کیا کریں۔ اس سلام کے ذریعے آہستہ آہستہ اس کے دربار سے ساتھیوں نے ایک ایک ساتھی کو وصول کرنا شروع کر دیا۔ واقعی اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت مولانا الیاسؒ کو بصیرتِ ایمانی اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی فراست سے وافر حصہ نصیب فرمایا تھا۔

مدینہ منورہ کی حاضری اور چند مسائل

(خط از محمد عبدالباسط خان، لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز LUMS، لاہور)

حضرت! مدینہ منورہ کے قیام کے دوران بندہ حضرت والا کی زبانی نعتیہ اشعار سنتا رہا جو کہ حضرت والا کے بیانات کی صورت میں بندہ کے موبائل میں موجود تھے۔ مدینہ منورہ میں اور خصوصاً آپ ﷺ کی خدمت میں حاضری سے پہلے اُن کو سن لینے سے بہت کیفیت پیدا ہوتی تھی۔ ایک دن بندہ نے مسجد نبوی ﷺ میں ایک پاکستانی سیاستدان کو داخل ہوتے دیکھا جس کو فوج والوں نے گھیر رکھا تھا۔ اس نے داخل ہوکر لوگوں کی طرف ہاتھ لہرایا۔ بندہ نے اسی وقت اپنا موبائل نکالا اور حضرت والا کی آواز میں یہ اشعار سنے، اوران کو سن کر ایک عجیب سی کیفیت بندہ پر طاری ہوئی۔

سلاطیں ہیں غلامانِ محمد ﷺ
غلامانِ محمد ﷺ ہیں سلاطیں

اور

دیکھ کر ان کو شاہوں کے سر جھک گئے
ان کے ادنیٰ غلاموں میں شامل ہوئے

جواب۔ بس یہ اشعار ہماری دنیا و آخرت کا سرمایہ ہیں۔ از حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب۔

حضرت! مدینہ منورہ کے قیام کے دوران ایک یہ مسئلہ بہت زیادہ نظر آیا، جو کہ شاید اب وقت کے ساتھ ساتھ کافی بڑھ گیا ہے کہ غیر مقلدیت اپنی شدت کے ساتھ وہاں پھیلائی جا رہی ہے۔ بندہ کی اہلیہ نے بتایا کہ مسجد نبوی ﷺ میں درس دینے والی خاتون تو بہت زیادہ ہتک آمیز لہجہ میں اور مذاق اڑانے کے انداز میں فقہ کے چاروں اماموں کا جن کے پیچھے ۹۸ فیصد امت چل رہی ہے ذکر کرتی ہے، قضا نمازوں کی ادائیگی سے منع کرتی ہے، اوابین کا رد کرتی ہے، تسبیح استعمال کرنے کو بدعت کہتی ہے اور کسی کے لئے ایصال ثواب کرنے کو غلط کہتی ہے... غرض اس طرح کے بہت

سے مسائل کو بیان کرتی ہے کہ جن کو بیان کرنے کی ہرگز کوئی ضرورت ہی نہیں۔ یہاں تو لوگ حج کے لئے آئے ہیں۔ ان کے سامنے حج کے مسائل کو بیان کرنا، باقی ساری زندگی کو اللہ تعالیٰ کے حکموں اور حضور اکرم ﷺ کے طریقوں پر گزارنے کی ترغیب دینا اور خواتین کی ضرورت کے مسائل جیسے پردہ وغیرہ پر گفتگو کرنے کی بجائے صرف اور صرف احناف کے رد میں گفتگو کی جارہی ہے۔

کم و بیش یہی حال مردوں میں ہے کہ عصر کے بعد ایک اردو بولنے والا ردِ احناف میں تقریر کرتا ہے۔ طریقۂ کار یہ ہے کہ کسی بھی مسئلہ میں بات کرتے کرتے اختلافی مسائل پر گفتگو شروع کردیتے ہیں۔ بندہ مکہ مکرمہ میں اپنے ایک بزرگ کے پاس کھڑا تھا اور قریب ہی صحن مطاف میں کسی کا درس ہورہا تھا۔ درس عربی زبان میں تھا جس کو حضرت صاحب سمجھ رہے تھے، فرمانے لگے کہ یہ آدمی اپنے درس میں قصیدہ بردہ شریف کو شرک کہہ رہا ہے۔ آج کل انھوں نے یہ کام شروع کیا ہے کہ جمعہ کی پہلی اذان ظہر کا وقت داخل ہونے سے تقریباً نصف گھنٹہ پہلے دیتے ہیں اور ۹۹ فیصد سے زائد نمازی وقت شروع ہونے سے پہلے سنتیں پڑھ لیتے ہیں، حالانکہ بندہ کے علم کے مطابق جمہور ائمہ کے نزدیک جمعہ کا وقت ظہر کے وقت ہی شروع ہوتا ہے۔

حضرت! بندہ یہ پوچھنا چاہتا ہے کہ اگر اس مسئلہ کی طرف وفاق المدارس کے ذمہ داران جیسے مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم العالیہ کو متوجہ کیا جائے اور ان سے کہا جائے کہ آپ حضرات سعودی ذمہ داروں سے بات کریں کہ اس حوالے سے ان کا طرز عمل درست نہیں ہے تو کیا اس کا فائدہ ہوسکتا ہے؟ بندہ کی معلومات میں یہ بات آئی ہے کہ پاکستان کے علما کو پچھلے سالوں میں سعودی حکومت نے اپنے خرچ پر حج اور عمرے کروائے ہیں۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ سعودی حکومت کے نزدیک پاکستانی علما کا سعودی حکومت کی تائید کرنا سیاسی طور پر سعودی حکومت کے لئے فائدہ مند ہے اور یہ موجودہ حالات میں سعودی خارجہ پالیسی کا حصہ بھی ہے۔ بندہ کے خیال میں ان حالات سے فائدہ اٹھا کر پاکستان کے علمائے کرام کو سعودی حکومت کے ذمہ داران سے سنجیدہ گفتگو کرنی

چاہئے تاکہ اس مسئلہ کو حل کیا جاسکے۔

جواب:

برخوردار! ان مسجد نبوی کے واعظوں کو کون عقل سکھائے کہ تبلیغ تو اللہ تعالیٰ کے یقین اور اس کی قدرتوں،شان اور کبریائی کو اس طرح بیان کرنا ہے کہ انسان کو احساس ہو کہ میرے سارے مسائل کا حل اس ذاتِ ذوالجلال کے پاس ہے۔اور اس سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستگی، یقین اور اس کے وعدوں پر اعتماد کا تعلق پیدا ہو نیز اس ذات کی محبت پیدا ہو۔حضور ﷺ کے مناقب بیان کریں تاکہ آپ کی ذات والا صفات سے محبت پیدا ہو۔آپ ﷺ کے اتباع کی برکات بیان کریں تاکہ آپ ﷺ کا اتباع اور محبت نصیب ہو۔

اعمال کے فضائل بیان کریں تاکہ اعمال کا جذبہ بنے۔آخرت کو بیان کریں تاکہ جنت کی رعنائیاں اور جہنم کی ہولناکیاں ذوق اور خوف کے جذبوں کو ابھار کر عمل کے لئے تیار کریں۔لیکن یہ سادہ لوح اختلافی مسائل کو کرخت انداز میں بیان کر کے سعودی حکومت کے خلاف لوگوں کے جذبات پیدا کر رہے ہیں۔اہل حکومت تو سمجھدار ہیں۔اس بات کا شاید انہیں پتا نہیں کہ ان کے کارندے اس نقصان دہ ترتیب کو اختیار کئے ہوئے ہیں۔

بندہ کی جب حاضری ہوتی ہے تو بزرگوں نے کہا ہوا ہے کہ وہاں پورا سنت لباس پہننا چاہئے، پگڑی بھی ہو، چنانچہ بندہ کی پگڑی بھی ہوتی ہے۔ساتھ کچھ ساتھی بھی ہوتے ہیں۔وہاں دنیائے اسلام کے لوگ ظاہر ہے سفید داڑھی دیکھ کر شوق وعقیدت سے ملتے ہیں۔اس پر مدینہ یونیورسٹی کے نوعمر طالب علم آکر اس طرح کی بات کرتے ہیں گویا وہ علامہ ہیں اور ہم اَن پڑھ،اور بے عزت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔اللہ کا احسان ہے کہ ہمارے بزرگوں نے پاکستان میں اخلاص سے کام کیا ہے،ان کی وجہ سے اپنے ملکوں میں ہماری مقبولیت ہے،لوگ ہماری بات مانتے ہیں۔یہ سعودیہ کے ٹکروں پر پلنے والے طلبا جو پاکستانی ہوتے ہیں اور جب واپس آجاتے ہیں تو

ہمارے سامنے چوں نہیں کر سکتے لیکن وہاں شیر بنے یہ کارکردگی کر رہے ہوتے ہیں۔

جہاں آپ نے کہا کہ وفاق المدارس والے اس کا تأثر (Notice) لیں اور اس پر ردعمل کر کے اپنی حکومت کو یا کسی طرح سعودی حکومت کو یادداشت پیش کریں، یا آپ نے کہا کہ کچھ مدارس کے علما کو سعودی حکومت مفت حج کے لئے بلاتی ہے، وہ یہ کام کریں، اس بارے میں عرض ہے کہ اس سے پہلے ایک دفعہ مدینہ یونیورسٹی کے بعض پروفیسروں نے بعض ایسے پی ایچ ڈی کے مقالوں (Thesis) پر دستخط کئے جن میں حنفیوں پر کفر کے فتوے تھے، اس پر ردعمل کا جب کہا گیا تو پاکستان کے سیاسی وغیر سیاسی سارے علما ہمت نہ کر سکے۔ پھر مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان میں پانچ لاکھ کا اجتماع کر کے سعودی سفیر کو یادداشت پیش کی۔ اس کا خاطر خواہ فائدہ ہوا، سعودی حکومت نے مسجد نبوی اور بیت اللہ شریف کے اماموں کو ہدایات دیں کہ اس چیز کے بارے میں محتاط رہیں۔ اور بندہ نے خود سنا کہ مسجد نبوی کے امام نے چاروں اماموں کا ''رحمۃ اللہ علیہ'' کہہ کر ذکر کیا۔

حیرت ہوتی ہے کہ اہل تشیّع، جن کے بارے میں یہ ہے کہ ان کے بعض عقائد کفریہ ہیں اور ان کی ایک خاص تعداد حالت کفر میں ہے، وہ اپنی ساری بدعات ان کے سامنے کر رہے ہوتے ہیں، لیکن یہ سعودی دینی کارکن ایک لفظ تک ان کے بارے میں نہیں بولتے۔ بس سارا غبار خاص طور پر امام ابوحنیفہؒ پر اتارتے ہیں حالانکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وہ ہیں کہ جن کا پیروکار ایٹمی طاقت پاکستان ہے، جس کا پیروکار دنیا کی دسویں بڑی معاشی طاقت ترکیہ ہے، جن کے پیروکار دنیائے اسلام کی آبادی کے نصف سے زیادہ ہیں۔ جب بھی ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو حنفی پاکستانی فوج ہی جان دینے کے لئے آگے بڑھتی ہے۔ ان سب باتوں کو ان کی حکومت کے سامنے پیش کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ اہل حکومت سمجھدار لوگ ہیں اور وہ کوشش کرتے ہیں کہ صرف سلفیوں کی قیادت کی بجائے خود کو پوری دنیائے اسلام کا قائد ثابت کریں۔

شاہ اھل اللہؒ کا جن صحابی کا واقعہ

(انتخاب: حضرت ڈاکٹر عبیداللہ صاحب، خیبر میڈیکل کالج، پشاور)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک بار حضرت شاہ اہل اللہ صاحبؒ جو کہ برادر تھے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کے، اپنے حجرے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک سپاہی آیا کہ آپ کو بادشاہ سلامت نے بلایا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فوراً اٹھے اور اس سپاہی کے ساتھ چل دیئے۔ وہ سپاہی بجائے لال قلعہ جانے کے دہلی سے باہر پہاڑ گنج کی طرف لے گیا۔ وہاں جا کر ایک غار کے پاس کھڑے ہو کر کہنے لگا کہ اس غار میں داخل ہو۔ جب شاہ صاحبؒ اس غار میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ جنات کا بہت بڑا مجمع ہے اور جنات کا بادشاہ بیٹھا ہے اور اس کے دائیں جانب ایک مرد اور ایک عورت وہاں کھڑے ہیں۔ انہوں نے شاہ صاحبؒ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس آدمی نے ہمارے اس بیٹے کو قتل کر دیا ہے۔ ہمیں قصاص دلوانا چاہیئے۔ حضرت شاہ اہل اللہ صاحبؒ نے فرمایا کہ تم لوگ مجھ سے قصاص نہیں لے سکتے کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ جس شخص نے اپنی پوشش بدل دی اگر اس کو کوئی شخص غلط فہمی سے مار ڈالے تو اس مارنے والے سے قصاص نہیں لے سکتے۔

بادشاہ نے اس جن سے جو اس کے دائیں طرف بیٹھا تھا پوچھا کہ کیا یہ حدیث ہے تو اس نے کہا کہ ہاں یہ حدیث ہے جب حضور ﷺ نے یہ حدیث فرمائی تھی تو میں اس وقت دربار میں حاضر تھا۔ میں نے اپنے کانوں سے اس حدیث شریف کو سنا ہے۔ حضرت شاہ اہل اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بادشاہ نے پھر مجھ سے یہ حدیث سن کر رہا کر دیا اور مجھ سے قصاص نہیں لیا۔ مجھ کو اپنے رہا ہونے کی اتنی خوشی نہیں ہوئی، جتنی خوشی کہ مجھے اس صحابی جن کو دیکھنے سے ہوئی۔ پھر شاہ اہل اللہ صاحبؒ نے ان صحابی جن سے وہی حدیث سنی اور تابعی ہو کر واپس آئے۔ یہ حدیث ہمیں ترمذی شریف کے درس میں حضرت شاہ صاحبؒ نے سنائی تھی۔ اس جن کا نام شاہورش رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔

(ماخوذ از ملفوظات علامہ سید انور شاہ محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، مرتب مولانا سید احمد رضا بجنوریؒ)

فکرانگیز

(خوشحال صاحب، مقیم خانقاہ)

مولانا محمد امین دوست صاحب ہمارے شیخ حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم کے خلیفہ اور گہرے علم والے اور اخلاص کے پیکر ہیں۔ دین کی خدمت کے لئے زندگی کا ہر لمحہ وقف کئے ہوئے عالم باعمل ہیں۔ مولانا صاحب اکثر مغرب کے بعد خانقاہ پہنچتے ہیں اور صبح کی نماز کے بعد واپس اپنے مدرسہ، جو کہ تعلیم القرآن کے نام سے چھوٹا لاہور ضلع صوابی میں واقع ہے، تشریف لے جاتے ہیں۔ مولانا صاحب اور ان جیسے علما اور طالبانِ حق کی آمد تو مجھ جیسوں کے لئے گویا نعمتِ غیر مترقبہ ہوتی ہے کیونکہ ان حضرات کی آمد سے خانقاہ کے ماحول کا رنگ ہی جداگانہ ہو جاتا ہے اور ان کی اخلاص وطلب کی برکت سے ہم جیسوں کو بھی نت نئی علمی، عملی اور اصلاحی باتیں سننے کو ملتی ہیں۔ اس کی وجہ تو یہی معلوم ہوتی ہے کہ شیخ کی مجلس میں جو جتنی طلب واخلاص کئے ساتھ آیا ہو اس وقت ویسی ہی باتیں شیخ کے قلب مبارک پر وارد ہوتی ہیں اور ظاہر ہے کہ اس کا فائدہ سارے ہی حاضرین کو ہوتا ہے۔ ہفتہ ۶ اگست ۲۰۱۶ء کو مولانا محمد امین صاحب تشریف لائے تو بڑا ہی عجیب اور حیرت انگیز واقعہ سنایا جس کو سن کر اس وقت سب اہل مجلس سکتے کی کیفیت سے دوچار ہوئے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب دامت برکاتہم نے بندہ کو حکم دیا کہ اس واقعہ کو قلم بند کریں۔

مولانا امین صاحب نے فرمایا کہ چھوٹا لاہور صوابی میں شرقی جانب ایک صاحب ہیں جن کا نام واجب خان ہے۔ واجب خان دارالعلوم حقانیہ سے فارغ التحصیل اور دارالعلوم رحمانیہ کے نام سے مدرسہ چلا رہے ہیں۔ دارالعلوم رحمانیہ بنیادی طور پر حفظ کا مدرسہ ہے۔ مولانا امین صاحب کے کسی واقف قاری صاحب جو کہ اس مدرسہ میں تھے، نے مولانا صاحب کو اطلاع دی کہ واجب خان ۱۹۹۲ء سے نہ صرف یہ کہ قادیانیوں سے گہرے مراسم قائم کئے ہوئے ہے بلکہ ہر سال مدرسہ کے طلبہ کی ایک بڑی تعداد کو ربوہ (موجودہ چناب نگر) لے جاتا ہے اور واپسی پر بوریوں بھری ان کی لٹریچر کی کتابیں لاتا ہے۔ قادیانی ہر سال واجب خان کو ایک بھینس اور کچھ مالی امداد دیتے ہیں۔ مولانا امین

صاحب نے واجب خان سے رابطہ کر کے اس سے وضاحت طلب کی، جس کے جواب میں واجب خان نے مولانا امین صاحب کو دھمکی دی اور کہا کہ میں قادیانیوں سے مفادات حاصل کر رہا ہوں اور اگر کوئی اپنی قوتِ بازو آزمانا چاہے تو میں اس کا جواب بھی دے سکتا ہوں، اور اگر بندوق اٹھانا چاہے تو میں جواب میں بندوق بھی اٹھا سکتا ہوں۔ مولانا امین صاحب نے اس کو جواب دیا کہ میں بھی کسی دوسری جگہ سے تعلق نہیں رکھتا، تمہاری طرح اسی خطے کا پٹھان ہوں اور تمہاری طرح بندوق بھی اٹھا سکتا ہوں۔ مولانا امین صاحب نے علاقے کے دوسرے اہل علم کو اطلاع دی اور واجب خان کو پیغام دیا کہ دو دن کے اندر اگر تم نے معافی نامہ شائع نہ کیا تو ہم تمہارا گھر، مدرسہ اور مسجد جلا دیں گے۔ ایک صاحب نے کہا کہ میرے نو (۹) بیٹے ہیں اور میں سب کو اس کام کے لئے قربان کرنے کو تیار ہوں۔ واجب خان نے جواب میں تحریری معافی نامہ اخبارات میں شائع کیا اور آیندہ کے لئے توبہ کی۔

مولانا امین صاحب نے جب یہ کارگزاری ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب دامت برکاتہم کو سنائی تو حضرت نے فرمایا کہ یہ بندہ آپ کو دھوکہ دے رہا ہے اور یہ تو قادیانیوں کا طریقۂ کار ہے کہ ہر دینی تحریک میں گھستے ہیں اور قادیانیت کو پھیلانے کی تاک میں رہتے ہیں۔ ان کی تازہ ترین روئیداد حال ہی میں ہمارے لاہور کے ساتھی جناب عبدالباسط صاحب کی چشم کشا تحریر ہے جو کہ ماہنامہ غزالی کے گزشتہ شمارے میں چھپ چکی ہے۔ اس میں انھوں نے انکشاف کیا تھا کہ کسی تبلیغی مرکز میں ایک زندگی وقف کیا ہوا بندہ قادیانی تھا، ایک دوسرے مرکز میں پہرے پر کھڑا ایک بندہ قادیانی تھا، سہ روزے میں نکلا ہوا ایک لڑکا قادیانی تھا اور اس کی آڑ میں قادیانیت کی تبلیغ کر رہا تھا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے مزید ایک میڈیکل کالج کے ڈاکٹر صاحب کا واقعہ بھی سنایا جو کہ حضرت کے سامنے بڑا مؤدبانہ اور دست بستہ کھڑا ہوتا تھا لیکن دوسرے اساتذہ نے حضرت سے کہا کہ جب آپ موجود نہیں ہوتے تو یہ اپنی اصلیت پر آجاتا ہے نیز اس نے بعض مسلمان ڈاکٹرز کی شادیاں قادیانی عورتوں سے کروائی ہیں۔ حضرت صاحب نے مزید کہا کہ واجب خان مدرسہ کی آڑ میں اس جگہ قادیانی مرکز بنانے کے لئے سرگرم ہے کیونکہ جو بندہ زندیق سے مفادات حاصل کر رہا ہو اور جس کے پاس قادیانی لٹریچر ہو اور وہ بچوں کو چناب نگر لے جاتا ہو اس کے ایمان کے بارے میں آپ کیا کہہ سکتے ہیں۔

پہلے تولو پھر بولو

(پروفیسر ڈاکٹر محمد طارق صاحب، چیئر مین شعبۂ فزیالوجی، نارتھ ویسٹ سکول آف میڈیسن، پشاور)

ایک دفعہ ایک آدمی عظیم صوفی، شاعر اور دانشور شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے آیا۔ اس آدمی نے کہا: ''کیا آپ کو پتہ ہے میں نے آپ کے دوست کے بارے میں کیا سنا ہے؟'' شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''ذرا ٹھہرو، اس سے پہلے کہ تم مجھے کچھ بتاؤ میں یہ چاہتا ہوں کہ تمہاری بات کو ایک تجربے (Test) سے گزاریں، جس کو میں تین چھلنیوں والا تجربہ (Triple Filter Test) کہتا ہوں۔'' تین چھلنیوں والا تجربہ! آدمی نے حیرت سے پوچھا۔

''جی ہاں۔'' شیخ سعدیؒ نے فرمایا: ''میرے خیال میں یہ مناسب ہوگا کہ جو کچھ تم مجھے بتانا چاہتے ہو اس کو ذرا جانچ لیں اور اس کو تین چھلنیوں (Filters) سے گزار لیں۔ پہلی چھلنی سچائی کی ہے۔ کیا آپ کو قطعی یقین ہے کہ جو کچھ آپ مجھے بتانے والے ہیں وہ سچ ہے؟''

اس آدمی نے کہا: ''نہیں، دراصل میں نے تو کسی سے سنا ہے۔'' شیخ سعدیؒ نے فرمایا: ''اچھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کو پتہ نہیں کہ بات سچی ہے یا نہیں۔ چلیں اب دوسری چھلنی سے کوشش کرتے ہیں، دوسری چھلنی اچھائی کی ہے۔ جو کچھ آپ مجھے بتانے والے ہیں کیا وہ میرے دوست کے متعلق کوئی اچھی بات ہے؟''

''نہیں بلکہ اس کے الٹ ہے۔'' آدمی نے کہا۔ شیخ سعدیؒ نے فرمایا: ''تو آپ میرے دوست کی کوئی برائی مجھے بتانا چاہتے ہیں جس کے بارے میں آپ کو یقین نہیں کہ وہ سچ ہے۔ چلو ابھی بھی ایک چھلنی باقی ہے، اس سے گزار کر دیکھتے ہیں۔ آخری جانچ یہ ہے کہ جو بات آپ مجھے بتانا چاہتے ہیں میرے لئے دنیا و آخرت کے لحاظ سے مفید ہے یا نہیں؟

''نہیں۔'' آدمی نے کہا۔ شیخ سعدیؒ نے فرمایا: ''نادان آدمی! جو بات آپ بتانا چاہتے

ہیں نہ سچ ہے، نہ کوئی اچھی بات ہے اور نہ ہی اس میں کوئی دنیا آخرت کا فائدہ ہے تو ایسی فضول بات کا تو نہ کہنا ہی اچھا ہے۔'' اس طرح شیخ سعدیؒ نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ فہم وفراست سے اپنے آپ کو غیبت، جھوٹ، چغلی اور لایعنی بات کے سننے سے محفوظ رکھا۔

حدیث شریف میں آتا ہے۔

اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ وَ یَنْطِقُ بِتَوْفِیْقِ اللّٰهِ.

یعنی مومن کی فراست سے ڈرو، وہ دیکھتا اللہ کے نور سے ہے اور بولتا اللہ کی توفیق سے ہے۔

اب ہم اپنے حال پر غور کریں کہ ہم صبح شام جھوٹ، غیبت، چغلی اور لایعنی میں مبتلا ہیں۔ ہر سنی سنائی بات کو بلاتحقیق آگے بیان کرنا ہمارا مشغلہ ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔

کَفَا بِالْمَرْءِ کَذِباً اَنْ یُّحَدِّثَ بِکُلِّ مَا سَمِعَ (مسلم شریف)

یعنی کسی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ ہر سنی سنائی بات کو آگے بیان کر دے۔

اس لئے بات کرتے ہوئے بہت احتیاط کرنی چاہیے۔ ہمارے ایک دوست نے خاندان کی کسی عورت کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا۔ کہتا ہے کہ میں نے پوچھا کہ انسان کو کس گناہ کی وجہ سے زیادہ عذاب ہوتا ہے تو اس نے زبان کی طرف اشارہ کیا۔ زبان اعضاء میں جسامت کے لحاظ سے تو بہت چھوٹی ہے مگر اس کے گناہ بہت زیادہ ہیں۔ ہر صبح کو سارے اعضاء زبان سے کہتے ہیں کہ تو ٹھیک ہو جا اور ٹھیک استعمال ہو، اگر تو ٹھیک رہے گی تو ہم سب بھی گناہ سے محفوظ رہیں گے اور اگر تو غلط استعمال ہوئی تو ہم سب بھی محفوظ نہیں رہیں گے۔

آدمی اول تو بات کرے ہی نہیں، اور بات کرنا بھی چاہے تو سارے پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد بولے۔ پشتو کی ایک ضرب المثل ہے: خه وئیل خه دی خو ده نه وئیلو برابر نه دی۔ کہ اچھی بات کرنا تو اچھا ہے مگر نہ بولنے کے برابر نہیں ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔

مَنْ صَمَتَ نَجَاَ یعنی جو خاموش رہا اس نے نجات پالی۔

ایک اصلاحی خط

(از جناب فہیم صاحب، انچارج شعبۂ نفسیات، سوات یونیورسٹی)

(مریدین اصلاحی خط لکھتے ہیں۔ سلسلے کی طرف سے اس کا جواب دیا جاتا ہے۔ جو خط عمومی فائدہ کا ہو اسے بعض اوقات شائع بھی کیا جاتا ہے۔ ذیل کا خط بھی انہی میں سے ایک ہے۔ ادارہ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ حضرت جی!

الحمد للہ! کتاب ''ام الامراض'' کا مطالعہ ختم کیا۔ دو (2) بار کتاب کو پڑھا۔ ذیل میں مختصر خلاصہ پیش خدمت ہے۔

قرآن مجید میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ''یقیناً اللہ تعالیٰ متکبرین کو پسند نہیں کرتا''۔ علامہ عبدالوہاب شعرانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ہر انسان شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنی بڑائی پسند کرتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صورت پر پیدا کیا گیا ہے۔

ہر انسان کو اپنا علاج اور تزکیہ کرانے سے پہلے خود کو تکبر کا مریض سمجھنا چاہئے۔ خصوصاً وہ افراد جو اللہ کی رضا اور قرب کے لئے ایمان ویقین اور معرفت واحسان کے اعلیٰ مراتب حاصل کرنے کی کوشش میں ہیں۔ چونکہ یہ راستہ حقیقی سعادت اور بڑی کامیابی کا ہے اس لئے شیطان پوری محنت سے کام لیتے ہوئے ان افراد کو رذائل میں مبتلا کر دیتا ہے۔ ظاہری علم وعمل کی وجہ سے ان رذائل کا احساس نہیں ہوتا۔ عجز وانکسار، تواضع وگمنامی کی بجائے بندہ کبر وعجب، حبِ جاہ اور شہرت پسندی میں پڑ جاتا ہے۔ پھر جب کبھی معاشرت ومعاملات میں اس کے چھپے ہوئے رذائل کا اظہار ہوتا ہے تو دیکھنے والے حیران رہ جاتے ہیں کہ اتنے متقی بزرگ کی یہ حرکات!

امام ربانی حضرت رشید احمد گنگوھی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ ''پہلے بزرگ اخلاق سیئہ (یعنی کبر، حسد، کینہ وغیرہ) چھڑانے کی محنتیں کیا کرتے تھے مگر متاخرین (ہمارے سلسلے کے بزرگوں)

نے ذکر کی کثرت کو ترجیح دی تا کہ اخلاقِ ذمیمہ ذکر کے نیچے دب جائیں‘‘۔

اخلاق سیئہ بہت سے ہیں لیکن اکثر نے ان کو دس میں جمع کیا ہے اور پھر سب کا خلاصہ تکبر بتایا ہے۔ یہ دور ہو تو سب دور ہو جاتے ہیں۔ مثلاً

عجب کیا ہے؟ اپنے کمال کو عطائے الٰہی کی بجائے ذاتی کمال سمجھنا۔

ریاء کیا ہے؟ لوگوں کی نظر میں اپنی بڑائی چاہنا۔

حب جاہ کیا ہے؟ لوگوں کی تسخیر اور ان سے اپنی تعظیم کا چاہنا۔

حب مال کی منشاء بھی اپنی بڑائی کا سامان جمع کرنا ہوتا ہے۔

غصہ کا منشاء بھی اکثر کبر ہی ہوتا ہے اس لئے جب کسی سے خود کو چھوٹا سمجھتا ہو تو اس پر غصہ نہیں ہوتا۔ اگر غصہ کا اظہار نہیں ہوسکتا اور بدلہ نہیں لے سکتا تو دل میں بغض، حسد اور کینہ پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح حرص، جھوٹ، لالچ، بخل، طمع، غیبت اور خوشامد وغیرہ سب کی وجہ کبر ہی ہوتی ہے۔

تکبر کی مذمت قرآن مجید اور احادیث مبارکہ دونوں میں بہت زیادہ آئی ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جنت میں وہ داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی کبر ہوگا۔ تکبر کفر سے بھی اشد ہے اور قبولِ حق میں سب سے بڑا مانع ہے جس کی واضح مثال ابلیس لعین کی ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ کبر کفر کا شعبہ ہے اور جن گناہوں کا تعلق کبر سے ہوتا ہے وہ شیطانی گناہ کہلاتے ہیں، جن کی برائی حیوانی گناہوں سے بہت زیادہ ہے۔ اسی لئے ’’الغیبت اشد من الزنا‘‘ فرمایا گیا۔ ایسے گناہوں پر توبہ کی توفیق بھی کم ملتی ہے کیونکہ انہیں برا نہیں سمجھا جاتا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ مصیبت گویائی کے ساتھ وابستہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک جملہ زبان سے نکل گیا تھا جس کی وجہ سے مسیلمہ کذاب کی لڑائی میں سخت مقابلے کی نوبت آئی۔ ہزاروں آدمی کفار کے قتل ہوئے اور مسلمانوں کی بڑی جماعت شہید ہوئی۔

اکمال الشیم صفحہ نمبر ۹۰ میں لکھا ہے کہ جس نے اپنے لئے تواضع کو ثابت کیا (یعنی چرچہ کیا کہ میں عاجزی والا ہوں، میں نے یہ کام عاجزی کی وجہ سے کیا) وہ بے شبہ متکبر ہے۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا طبعی مذاق تھا کہ وہ غرباء اور معمولی آدمیوں میں رہنا پسند فرماتے تھے۔ اپنی عادات، لباس، چال ڈھال، معاملات وغیرہ اسی قسم کا رکھا کرتے تھے۔ بارہا حضرت مولانا نانوتویؒ کا مقولہ نقل فرماتے تھے کہ عوام الناس کا بیت الخلاء بھی برکت والا ہوتا ہے برخلاف امراء کے بیت الخلاء کے۔ کیونکہ وہ صاف ستھرے اور بدبو سے منزہ بہت زیادہ ہوتے ہیں جس سے نفس میں عجب اور رعونت پیدا ہوتی ہے۔

فقہاء نے حوض سے وضو کرنے کو افضل لکھا ہے کیونکہ نفس امارہ والے اور بڑے بڑے دنیا دار اس سے وضو کرنے میں اپنی ہتک اور بے عزتی سمجھیں گے۔ کتاب میں شیخ ابوعبداللہ اندلسی کا ایک عجیب وغریب عبرتناک واقعہ درج ہے۔ تکبر ایسی بری بلا ہے کہ شیخ المشائخ کو کہاں سے کہاں تک پہنچایا۔ اسی طرح حضرت جنید بغدادیؒ کی حکایت ہے کہ ان کے پاس ایک شخص بیس برس تک رہا لیکن تکبر کی وجہ سے ناکام ونامراد لوٹ گیا۔

ایک کیمیاء گر کا دلچسپ واقعہ ہے جو کہ ظاہری طور پر سقہ بنا ہوا تھا۔ بادشاہ نے پہلے زور آزمائی سے کیمیا گری سیکھنا چاہی لیکن ناکام ہو گیا اور پھر بھیس بدل کر دن رات سقہ کی خدمت شروع کی تو سیکھ گیا۔ آخر میں سقہ نے کہا: ’’میاں کیمیا تو پاؤں دبانے سے آتی ہے، بادشاہ بن کر نہیں آتی۔ میاں کیمیاء کے واسطے تو سقہ بننا ضروری ہے۔‘‘

تمنا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

سرخرو ہوتا ہے انسان ٹھوکریں کھانے کے بعد
رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ پس جانے کے بعد

(حنا: مہندی)

حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے: "من تواضع اللّٰہ رفعة اللّٰہ" (جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرے، اللہ اس کو بلند درجہ عطا فرماتے ہیں) فخر انبیاء ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ کسی مسلمان کو حقیر مت سمجھو کہ صغیر مسلمان بھی خدا کے نزدیک کبیر ہے۔

حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اپنے نفس کو دشمن رکھ کیونکہ وہ میری دشمنی پر کھڑا ہے۔

دوسری حدیث قدس ﷺ میں وارد ہے کہ تکبر میری چادر اور عظمت میرا کپڑا ہے، پس جس نے ان دونوں میں سے کسی میں میرے ساتھ جھگڑا کیا میں اس کو دوزخ میں داخل کردوں گا اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔

کتاب میں درج ہے کہ جس قدر شریعت کے موافق عمل کیا جائے اسی قدر نفسانی خواہش کم ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احکامِ شرعی میں سے ایک حکم کا بجالانا نفسانی خواہشوں کے دور کرنے میں ان ہزار سالہ ریاضتوں اور مجاہدوں سے جو اپنے پاس سے کیے جائیں، کئی درجہ بہتر ہے۔

۱۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب کے خط میں اس مصرعے نے مجھے سر سے پاؤں تک ہلا دیا۔ ؎ اُو بنازے عجبے من بنیازے عجبے

اس کی سمجھ نہیں آئی، براہِ کرم وضاحت فرمائیں۔

۲۔ احادیث میں اور صحابہ کرامؓ کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ انتہائی سادگی اختیار کی جائے حتیٰ کہ کپڑوں میں پیوند لگانے کی بھی تاکید آئی ہے۔ میں نے تو ارادہ کیا کہ اگر حالات ایسے آئیں تو ان شاء اللہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کوئی بھی قربانی دے سکتا ہوں۔ لیکن عام حالات میں اس پر عمل کیسے ہوسکتا ہے؟

جواب:

برخوردار نے جس طرح حضرت شیخ کی معرکۃ الآراء تحریر "اُم الامراض" کا خلاصہ پیش کیا اس سے دل بہت خوش ہوا۔ برخوردار کا فہم بہت اچھا ہے، جم کر کام کیا تو بہت ترقی کرے گا۔

۱) جس شعر کا معنیٰ پوچھا گیا یہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ حضرت

خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ پورا شعر ایسے ہے:

بھرِ قتلم چوں کشد تیغ نہم سر بسجود
اُو بنازے عجبے من بنیازے عجبے

ترجمہ: جب وہ میرے قتل کے لئے تلوار کھینچتے ہیں تو میں سر کو سجدے میں رکھ لیتا ہوں۔ وہ عجیب ناز دکھا رہے ہیں اور ہم عجیب نیاز (اپنے آپ کو حوالے کرنا) دکھا رہے ہیں۔

۲) حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ پیوند لگنے تک کپڑوں کا استعمال نہیں چھوڑنا چاہئے۔ حضرت اقدس مولانا زکریا صاحبؒ کو بندہ نے مسجد نبوی میں دیکھا کہ سردیوں میں ایک افغانی چغہ پہنے ہوئے تھے جس میں کپڑے کی دوتہوں کے بیچ میں روئی سی ہوئی ہوتی ہے۔ اس پر کئی پیوند لگے ہوئے تھے۔ حضرت پیروں سے معذور تھے اس لئے پہیوں والی کرسی (wheel chair) میں تھے۔ مقبولیت کا تو یہ عالم تھا کہ عوام الناس تو چھوڑیں، عرب وعجم کے علما دست بستہ کھڑے ہونے کو اپنے لئے فخر سمجھتے تھے۔

آدمیت لحم و شحم و پوست نیست
آدمیت جُز رضائے دوست نیست

آدمیت گوشت، چربی اور جلد کا نام نہیں ہے، آدمیت دوست کی رضا کے جذبے کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہے۔ واقعی جب باطنی کمالات حاصل ہو جائیں تو ظاہری چیزوں کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ تو اللہ والوں کا حال ہے جو بہت اونچی شخصیات تھیں، اس دور کے ایک کافر کا واقعہ سن لیں۔ آئنسٹائن ایک بہت بڑی کانفرنس میں تقریر کرنے کے لئے جارہا تھا۔ اس کی بیوی نے دواعلیٰ تیار کئے ہوئے سوٹ پہننے کے لئے دیئے۔ پہلے دن نوکر نے کہا کہ صاحب آپ تقریر کے لئے جا رہے ہیں، سوٹ تو پہن لیں، لوگ کیا کہیں گے کہ یہ آئنسٹائن ہے۔ اس نے کہا:

"Nobody knows I am Einstein."

(ترجمہ: کوئی نہیں جانتا کہ میں آئنسٹائن ہوں)

(باقی صفحہ آخر پر)

(قسط۔۳)

سلام اور اس کے احکام

(قاضی فضل واحد صاحب)

سلام کا مسنون لفظ

آیات وروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں تو السلام علیکم کہنا مسنون ہے اور اس دنیا سے گزرنے کے بعد بغیر 'ال' کے "سَلَامٌ عَلَيْكُمْ" مسنون ہے۔ زیارتِ قبور کے لئے جو کلمہ قرآن مجید میں مذکور ہے وہ بھی

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ (الرعد:۲۴)

(ترجمہ: کہیں گے سلامتی تم پر بدلے اس کے کہ تم نے صبر کیا خوب ملا عاقبت کا گھر)

اور فرشتے جب اہل جنت کا استقبال کریں گے اس وقت بھی یہ لفظ اسی عنوان سے آیا ہے۔

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خٰلِدِيْنَ (الزمر:۷۳)

(ترجمہ: سلام پہنچے تم پر تم لوگ پاکیزہ ہو سو داخل ہو جاؤ اس میں سدا رہنے کو)

اور جس وقت اہل اعراف اہل جنت کو سلام کریں گے تو وہ بھی اسی لفظ کے ساتھ:

وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ (الاعراف:۴۶)

(ترجمہ: اور وہ پکاریں گے جنت والوں کو کہ سلامتی ہے تم پر)

(معارف القرآن جلد سوم صفحہ ۵۶۸)

قرآن مجید کی آیت وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا (النساء:۸۶)

(ترجمہ: اور جب تم کو دعا دیوے کوئی تو تم بھی دعا دو اس سے بہتر یا وہی کہو الٹ کر)

میں ارشاد یہ ہے کہ جب تمہیں سلام کیا جائے تو اس کا جواب اس سے بہتر الفاظ میں دو۔ یا کم از کم ویسے ہی الفاظ کہہ دو۔ اس کی تشریح رسول کریم ﷺ نے اپنے عمل سے اس طرح فرمائی کہ

ایک مرتبہ آپ کے پاس ایک صاحب آئے اور کہا: "السلام علیک یا رسول اللّٰہ." آپ ﷺ نے جواب میں ایک کلمہ بڑھا کر فرمایا: "وعلیکم السلام و رحمة اللّٰہ." پھر ایک صاحب آئے اور انھوں نے سلام میں یہ الفاظ کہے: "السلام علیک یا رسول اللّٰہ و رحمة اللّٰہ." آپ ﷺ نے جواب میں ایک اور کلمہ بڑھا کر فرمایا: "وعلیکم السلام و رحمة اللّٰہ و برکاتہٗ." (معارف القرآن جلد دوم)

توضیح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے اس طرح فرمائی کہ مذکورہ تینوں سے زیادہ کرنے والے کو یہ کہہ کر روک دیا کہ "اِنَّ السَّلَامَ قَدْ اِنْتَهٰى اِلَى الْبَرَكَةِ" یعنی سلام کی انتہا "وَبَرَكَاتُهٗ" تک ہے۔ (مظہری عن البغوی بحوالہ معارف القرآن جلد دوم)

اگر کوئی غیر مسلم اہل کتاب سلام کرے:

اس کے جواب میں اسی کے الفاظ دہرا دیے جائیں۔ چنانچہ یہود مدینہ کے سلام کا جواب دینے کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ نے حضرات صحابہ کرامؓ کو یہ حکم دیا تھا کہ ان کے جواب میں صرف "وعلیک" کے لفظ پر اکتفا کیا جائے۔ (دائرۃ المعارف الاسلامیہ)

قرطبی نے لکھا ہے کہ بہترین جواب سلام کا یہی الفاظ (وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ) ہیں۔ اس پر مزید اضافہ نہ ہوگا۔ اور مناسب یہ ہے کہ سلام ہمیشہ ضمیر جمع کے ساتھ ہو یعنی ''علیک'' کی بجائے ''علیکم'' کہا جائے خواہ مخاطب واحد ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اس کے ساتھ ملائکہ کراماً کاتبین ہوتے ہیں۔ (دائرۃ المعارف الاسلامیہ)

فضائل سلام

۱۔ جو پہلے سلام کرے اس کو زیادہ ثواب ملتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔

اِنَّ اَوْلَى النَّاسَ بِاللّٰهِ مَنْ بَدَاَ بِالسَّلَامِ (ابوداؤد)

ترجمہ: اللہ جل جلالہٗ کے ہاں لوگوں میں سے بہترین اور قریب ترین وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔

۲۔ ایک شخص نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: السلام علیکم و رحمة اللّٰہ و برکاتہٗ.

آپ ﷺ نے اس کا جواب دیا اور فرمایا کہ اس شخص کو تیس نیکیاں ملیں۔(نسائی،ترمذی،ابی داؤد)

۳۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی اکرم ﷺ نے تاکید فرمائی کہ پیارے بیٹے! جب تم اپنے گھر میں داخل ہوا کرو تو پہلے گھر والوں کو سلام کیا کرو۔ یہ تمہارے لئے اور تمہارے گھر والوں کے لئے خیر و برکت کی بات ہے۔(ترمذی)

۴۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم باب دوستی و صحبت میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں تو دونوں کے درمیان سو رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ نوے تو ابتدا کرنے والے کو ملتی ہیں اور دس دوسرے کو۔(ماہنامہ سلوک و احسان،شمارہ جنوری ۱۹۹۱ء)

۵۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کی منجملہ اور علامات کے ایک علامت یہ ہے کہ سلام کا رواج خاص خاص دائروں میں محدود ہو جائے گا۔ (یعنی ناواقفوں کو لوگ سلام نہیں کریں گے)(الادب المفرد)

۶۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اسلام کے اعمال میں سب سے افضل کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگوں کو کھانا کھلاؤ اور سلام کو عام کرو خواہ تم اس کو پہچانتے ہو یا نہیں پہچانتے۔(صحیحین بحوالہ معارف القرآن جلد۲)

۷۔ ارشاد نبوی ہے کہ بڑا بخیل (کنجوس) وہ آدمی ہے جو سلام میں بخل کرے۔(معارف القرآن جلد۲)

طریقہ و آدابِ سلام

۱۔ مسلمان مسلمان سے ملے تو سلام کرنا چاہئے۔ چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے۔ سوار بیٹھے ہوئے کو سلام کرے۔ کم تعداد بڑی تعداد کو سلام کرے۔ چھوٹے بڑے کو سلام کریں۔ اشارے سے سلام کرنا.... بشرطیکہ جب مخاطب دور ہو۔ زور سے سلام کرنا تاکہ مخاطب سن لے۔(الادب المفرد، بخاری)

۲۔ آپس میں سلام کیا کرو اس طرح ''السلام علیکم'' اور جواب اس طرح دیا کرو ''وعلیکم السلام''۔ اور

سب طریقے واہیات ہیں۔(بہشتی زیور)

۳۔ آپ ﷺ کسی سے ملاقات کے لئے تشریف لے جاتے تو عادت طیبہ تھی کہ تین مرتبہ سلام کرکے اجازت داخلہ طلب فرماتے۔اگر جواب نہ ملتا تو واپس تشریف لے جاتے۔(زادالمعاد)

۴۔ آنحضرت ﷺ کا طرز عمل سلام کے بارے میں یہ تھا کہ آپ ﷺ ہمیشہ سبقت فرماتے تھے یہاں تک کہ جب بچوں کے پاس جاتے تو ان کو بھی سلام کرتے۔(بخاری ومسلم)

۵۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے ’’علیک السلام‘‘ مت کہو، یہ مُردوں کا سلام ہے۔(سنن ابی داؤد)

٦۔ السّام علیکم نہیں کہنا چاہیئے کہ یہ بددعا ہے۔(رسالہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ازمنصورالزمان صدیقی)

۷۔ اگر کوئی شخص کسی کا سلام لائے تو سلام بھیجنے والے اور لانے والے دونوں کو جواب میں شامل کیا جائے۔کیونکہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ میرے والد صاحب آپ ﷺ کو سلام کہتے ہیں۔آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

عَلَیْکَ وَ عَلٰی اَبِیْکَ السَّلَام یعنی تم پر اور تمہارے باپ پر سلامتی ہو۔(تفسیر قرطبی)

۸۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ جو شخص ہم مسلمانوں کے سوا دوسری قوموں سے تشبّہ کرے وہ ہمارے طریقہ پر نہیں ہے۔ پھر آپ ﷺ نے دوسری قوموں کے ساتھ تشبّہ کرنے کی تصریح فرمائی کہ یہودیوں کی مشابہت اختیار نہ کرو اور نہ نصارٰی کی کیونکہ یہودی انگلیوں کے اشارے سے سلام کرتے ہیں اور نصارٰی ہتھیلیوں کے اشارے کرتے ہیں۔(ترمذی)

(جاری ھے)

(صفحہ ٦٢ سے آگے) اور جو کپڑے پہنے ہوئے تھے انہی میں لیکچر دینے چلا گیا۔لیکچر دینے کے بعد نوکر نے پھر یاد دلایا کہ اب تو نیا سوٹ پہن لیں۔آئنسٹائن نے جواب دیا:

"Now everybody knows that I am Einstein."

(ترجمہ:اب ہر کوئی جانتا ہے کہ میں آئنسٹائن ہوں)

یعنی اس لیکچر کے بعد میری شخصیت کو ان کپڑوں کی ضرورت نہیں رہی۔

درود شریف کی برکات

(اختر حسین صاحب، پی ایچ ڈی سکالر، جرمنی)

یہ واقعہ میں نے پچھلے ہفتے مسجد میں زاہد صاحب سے سنا جو کہ پاکستانی ہیں اور بیس سال سے جرمنی میں مقیم ہیں۔ انھوں نے اپنے دفتر میں کام کرنے والے ایک ساتھی کے حوالے سے بتایا کہ ایک تُرک مسلمان یہاں جرمنی سے عمرہ کی ادائیگی کے لئے جارہا تھا۔ اس کے جو دوست احباب حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں درود و سلام بھیجنا چاہتے تھے ان کے نام وہ ایک کاغذ پر لکھ رہا تھا۔

ایک اور جرمن جو اسی دفتر میں کام کرتا تھا وہ یہ سب دیکھ رہا تھا، اس نے پوچھا کہ آپ ان سب دوستوں کے نام کاغذ پر کیوں لکھ رہے ہیں۔ اسے بتایا گیا کہ یہ لوگ ہمارے نبی ﷺ پر درود و سلام بھیجنا چاہتے ہی اس لئے ان کے نام اپنے پاس لکھ رہا ہوں۔ اس جرمن نے مطالبہ کیا کہ اس کا نام بھی اس فہرست میں شامل کرلیا جائے۔ اس تُرک ساتھی نے اس کا نام بھی لکھ گیا اور اگلے روز عمرہ کے لئے روانہ ہوگیا۔

عمرہ سے واپسی پر اس تُرک نے دیکھا کہ یہ جرمن شخص بدلا ہوا ہے اور اس نے اپنے چہرے پر ڈاڑھی بھی سجالی ہے۔ تُرک نے جرمن سے اس تبدیلی کے بارے میں دریافت کیا۔ جرمن نے بتایا کہ آپ کی عمرہ کے سفر پر روانگی کے بعد اس نے خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کی اور حضور ﷺ نے اس سے جرمن سے فرمایا:

”آپ نے مجھے سلام تو بھیجا ہے لیکن آپ کی زندگی نہیں بدلی۔“

کہتا ہے کہ وہ جاگ گیا اور اگلے ہی دن اس نے فیصلہ کرلیا کہ میں اسلام قبول کرتا ہوں۔ کہتا ہے کہ اس طرح سے نے یہ ڈاڑھی رکھی ہے۔

☆☆☆☆☆